ذہین اور کند ذہن بچوں کی تعلیم

خداداد ذہانت رکھنے والے اور ذہنی طور پر پسماندہ بچوں کے نفسیاتی، تربیتی اور تعلیمی مسائل کا حل

مصنفین: جیمز جے، مارگریٹ ہل، ہربرٹ گولڈ
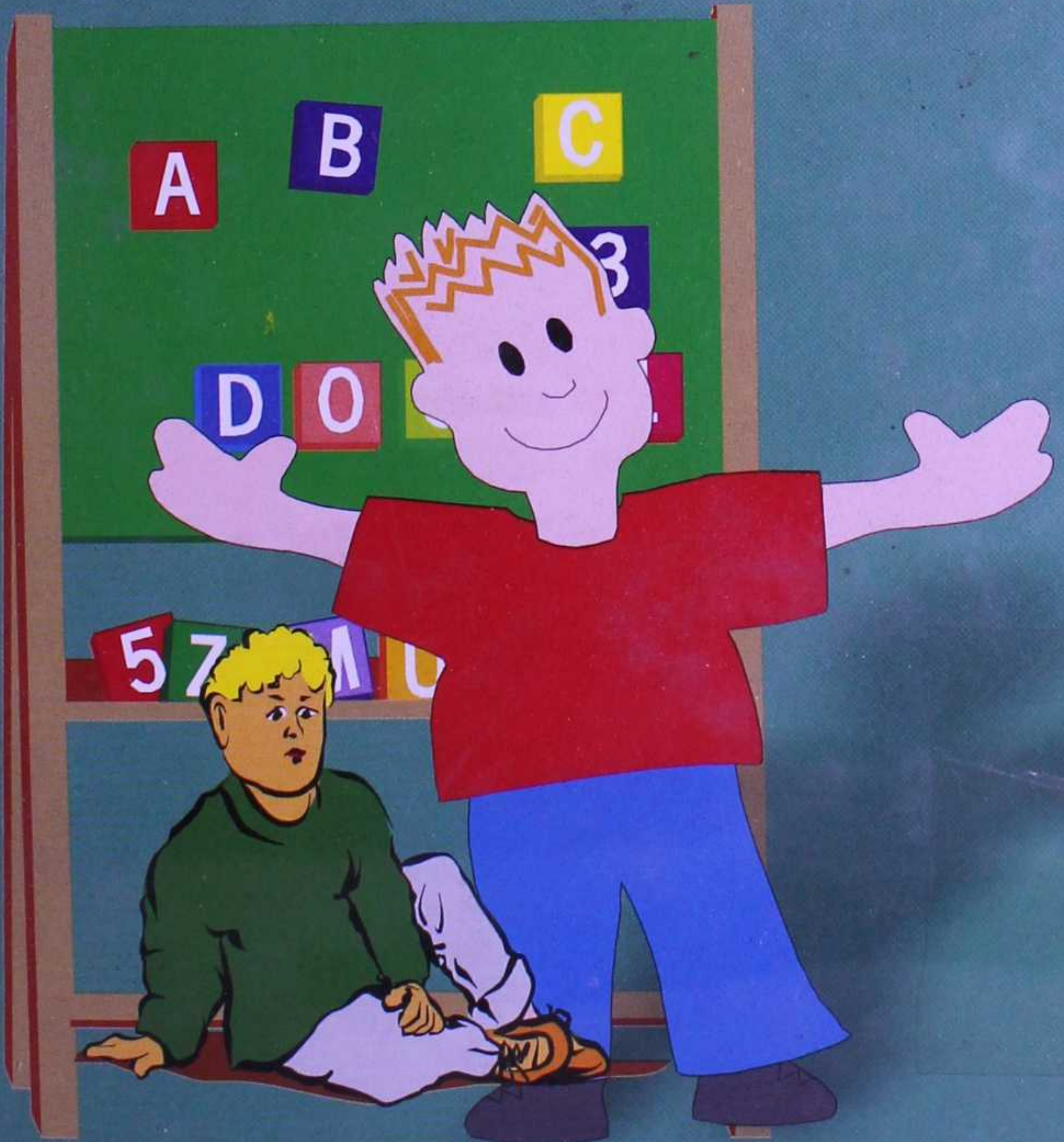
❀ بسلسلہ کامیاب زندگی کی نفسیات

خداداد ذہانت رکھنے والے اور ذہنی طور پر پسماندہ

بچوں کے نفسیاتی، تربیتی اور تعلیمی مسائل کا حل

ذہین اور کند ذہن بچوں کی تعلیم

مصنفین : جیمز جے۔ گلاگھر

مارگریٹ ہل

ہربرٹ گولڈسٹائن

مترجم : حافظ محمد احسن

کتاب	⇦	ذہین اور کند ذہن بچوں کی تعلیم
مصنف	⇦	جیمز جے۔ گلاگھر
اشاعت	⇦	2007ء
مطبع	⇦	علی فرید پرنٹرز لاہور
برائے	⇦	
دارالشعور		37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور
قیمت	⇦	-/120 روپے

فہرست

خداداد ذہانت رکھنے والے بچے

اور

ان کی ابتدائی تعلیم

عرض حال

خدا داد ذہانت کے حامل بچوں کے بارے میں جو علمی تحقیق ہوتی رہی ہے، مصنف نے اس کے وہ اجزاء منتخب کر کے یہ کتاب مرتب کی ہے جو ابتدائی جماعتوں کے اساتذہ اور والدین کے لیے مفید مطلب ہو سکتے ہیں۔ گویا یہ پوری تحقیق کا خلاصہ ہے۔ لیکن اس میں تحقیق کے سارے ہی اجزاء نہیں لیے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر صرف وہ تحقیق درج کی گئی ہے جو بیشتر ماہرین کے نظریوں کی نمائندہ سمجھی جاتی ہے۔ جہاں تک ان تصریحات اور سفارشات کا تعلق ہے جو اس کتاب میں درج ہیں۔ مصنف جیمز ۔ جے۔ گلاگھر (ایسوسی ایٹ پروفیسر یونیورسٹی الینوس ارگانا واقع الینوس) کے نزدیک انہیں علمی تحقیقات کی ٹھوس تائید حاصل ہے۔ جن لوگوں نے مسودۂ کتاب پر نظر ثانی کی ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: جناب اے ہیری پاسو (ایسوسی ایٹ پروفیسر تعلیمات و ریسرچ ایسوسی ایٹ ہوریس مین لنکن انسٹی ٹیوٹ آف سکول ایکس پیری منٹشین، ٹیچرز کالج کولمبیا یونیورسٹی) جناب جارج ای ہل (پروفیسر تعلیمات اوہیو یونیورسٹی) جناب پال اے وٹی (پروفیسر تعلیمات نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی) اور جناب ولر ڈینلسن (پوسٹ ڈوکٹرل فورڈ فیلو، انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ برائے غیر معمولی بچے، یونیورسٹی آف الینوس) مصنف نے مذکورہ بالا ماہرین تعلیم نیز ''ابرا'' اور ''نی'' جیسے مؤقر ادارہ ہائے تحقیق کے عہدہ دار حضرات کے مشوروں اور تبصروں کی روشنی میں متن کتاب میں مناسب تبدیلیاں کی ہیں۔

خداداد ذہانت کے حامل بچے ابتدائی مدارس میں

امریکی زندگی کے گزشتہ دس سال کے نمایاں مظاہر میں سے ایک قابل ذکر واقعہ بچوں سے متعلق تعلیمی مسائل میں عوام کی بڑھتی ہوئی دلچسپی بھی ہے' جس کی پذیرائی اور اہمیت پر اس کثرت توجہ سے تصدیق کی مہر لگ گئی ہے جو بااثر رسائل کے صفحات میں اس معاملے پر صرف کی جاتی رہی ہے۔

رسائل کے علاوہ متعدد سیمینار' ریڈیو' ٹیلی ویژن کے پروگرام اور مباحثے بھی اس مسئلے کی تحقیق و تدقیق کے لیے وقف کیے جا چکے ہیں اور تعلیم و تعلم کے پیشے سے تعلق رکھنے والے حلقوں میں بھی اس سے پہلے سے کہیں زیادہ دلچسپی لی جا رہی ہے' جس کے نمایاں شواہد سرکاری و قومی سطح پر منعقد کی گئی تعلیمی کانفرنسوں کی روز افزوں تعداد سے ملتے ہیں۔

ان متعدد مقالات اور مباحث سے جو عام نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ ذیل میں بطور خلاصہ درج کیے جاتے ہیں:

1- تعلیمی نظام ہی وہ میدان ہے جس میں ہم خود کو عالمی قیادت کے لیے تیار کر سکتے ہیں۔

2- خداداد ذہانت کے بچے اہم ترین قومی وسائل ترقی میں شمار کیے جانے چاہئیں۔

3- ہمارا نظامِ تعلیم اس قسم کے بچوں کی صحیح طرح تربیت نہیں کر رہا ہے۔

ہر چند حال میں جو نکتہ چینیاں کی گئی ہیں' ان کے الزامی لب و لہجے سے ہمارے وہ ارباب تعلیم ضرور تلملا اٹھے ہوں گے جو ایسے بچوں کی صلاحیتوں کو ابھارنے کے لیے پرخلوص جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ تاہم اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم ان مقاصد کا دوبارہ جائزہ لیں جو ایسے بچوں کے سلسلے میں ہمارے پیش نظر ہیں اور ان مقاصد کی تکمیل کے وسائل کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ لگائیں۔

خداداد ذہانت رکھنے والے بچے کی پہچان

ایسے بچے کی شناخت بتانے کے لیے اس کی جتنی بھی تعریفیں کی گئی ہیں' ان سب میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ وہ ایک ایسی "ذہنی قابلیت" کا مالک ہوتا ہے جو کسی ذہنی امتحان سے معلوم کی جا سکتی ہو۔ اس قسم کے ذہنی امتحانوں' آزمائشوں اور ٹیسٹوں کے ذریعے بچے کی قوتِ استدلال نظریات کو واضح کرنے کی صلاحیت حقیقی مماثلتوں کو دیکھنے والی نظر اور سابقہ معلومات سے موجودہ حالات میں کام لینے کی قابلیت کا جائزہ لیا جاتا ہے کیونکہ ان کاموں کی اہلیت کا تعلیمی زندگی کی ترقیوں سے قریبی تعلق ہوتا ہے۔

مگر بعض اداروں میں لفظ ذہانت کو زیادہ وسیع معنوں میں لیا جاتا ہے۔ یہ ادارے ان بچوں کو بھی جنہوں نے معین حلقہ ہائے کار میں نمایاں مہارت اور صلاحیت دکھائی ہو ذہین شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ انہیں اور دماغی و ذہنی صلاحیت رکھنے والے بچوں' دونوں قسم کے نونہالوں کو یکساں مستحق توجہ خیال کرتے ہیں اور موسیقی کی استعداد' فنونِ لطیفہ کا شوق اور مجلسی قیادت کی صلاحیت اور ان کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے مہارت طلب کاموں کی قابلیت رکھنے والے بچوں کی تدریس کے سلسلے میں خصوصی انتظامات و اہتمامات کرتے ہیں۔

خداداد ذہانت کہاں سے شروع ہوتی ہے؟

چھوٹی جماعتیں پڑھانے والے مدرسین اکثر یہی سوچتے رہتے ہیں کہ طفلانہ ذہن

کی وہ حد کون سی ہے جس پر اوسط درجے کی دماغی قابلیت ختم ہو کر اس کے آگے خداداد ذہانت شروع ہو جاتی ہے۔ ویسے تو امریکہ میں مختلف سکولوں میں علاقائی ضرورتوں اور سہولتوں کے مطابق ہی جدا جدا طریقے رائج ہیں لیکن ملک بھر میں اس وقت جتنے تعلیمی منصوبے زیر عمل ہیں ان میں خداداد ذہانت رکھنے والے بچے ذہنی آزمائش کے امتحانوں یا ذہنی ٹیسٹوں میں 115 سے لے کر 150 تک نمبر حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ اعداد مختلف النوع گروپوں اور انفرادی آزمائشوں کے نتائج پر مبنی ہیں۔

مگر ظاہر ہے کہ اس قسم کی حد بندیاں مصنوعی ہیں۔ 129 نمبر لینے والے بچے اور 131 نمبر پانے والے بچے میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ پھر بھی تعلیمی منصوبوں پر عمل درآمد کے دوران اس قسم کے بچوں کے درمیان کہیں نہ کہیں تو حد فاصل قائم کرنی ہی پڑے گی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ 131 نمبر لینے والے بچے کو ذہین اور 129 نمبر لینے والے بچے کو غیر ذہین بچوں میں شمار کیا جائے گا تو ان کے درمیان غیر ضروری فرق قائم ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک ذہین بچہ سمجھا جانے لگے گا جبکہ دوسرا غیر ذہین قرار پائے گا حالانکہ اصل میں تو ان کی ذہانتوں میں اتنا کم فرق ہے کہ وہ واضح بھی نہیں اور منصوبہ بندی کی ضرورتوں کی وجہ سے حد فاصل قائم کرنے کے بعد بھی غیر واضح ہی رہتا ہے۔

انتظامی لحاظ سے ذہین اور غیر ذہین بچوں کے درمیان حد فاصل قائم کرنا بے شک ضروری ہوتا ہے لیکن اسے ان دونوں اقسام کے بچوں کے درمیان حد تقسیم نہیں سمجھنا چاہیے۔

نقشہ نمبر 1: مختلف ذہنی سطحوں کے لحاظ سے سکولوں کا تناسب

سٹنفر بنٹ طریق امتحان میں قائم شدہ سطحیں	سکولوں کی تعداد کا فیصد		تعلیمی توقعات
	اوسط طبقہ	برتر طبقہ	
140 سے زیادہ نمبر	.5 سے 1 فیصد تک	2 سے 3 فیصد تک	ڈگری کالج (علم الادویہ)
130 سے زیادہ نمبر	2 سے 4 فیصد تک	6 سے 12 فیصد تک	قانون' پی ایچ ڈی
125 سے زیادہ نمبر	5 سے 7 فیصد تک	15 سے 20 فیصد تک	جسمانی وسوشل سائنسوں کے منصوبے یا پروگرام
120 سے زیادہ نمبر	10 سے 12 فیصد تک	30 سے 40 فیصد تک	انڈر گریجویٹ کالج
115 سے زیادہ نمبر	16 سے 20 فیصد تک	45 سے 60 فیصد تک'	

اس نقشے میں اسٹنفر بنٹ ذہنی امتحان میں حاصل ہونے والے درجات کے لحاظ سے سکولوں کا تناسب ظاہر کیا گیا ہے۔ اس انفرادی ذہنی آزمائش (یا امتحانی طریقہ) کو اس کی طویل عمر اور ذہن کی کارکردگی کی انتہائی صورتوں کا جائزہ لے سکنے کی صلاحیت کی بناء پر معیاری سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اگر آپ درمیانے طبقے کے بچوں کے کسی ایسے سکول میں پڑھاتے ہیں جس کے طلبہ کے مذکورہ بالا امتحانی طریقے سے 130 سے زیادہ نمبر آ جانے کا خیال ہے تو آپ اپنے 2 سے لے کر 4 فیصد تک شاگردوں کی کامیابی کی توقع کر سکتے ہیں اور اگر ان کے 125 نمبر حاصل کرنے کا خیال ہو تو سمجھ لیجئے کہ ان سے دو چند سے زیادہ بچے کامیاب ہو جائیں گے۔

اگر زیر بحث طبقے کی عام مجلسی و اقتصادی حالت درمیانے درجے سے کافی بلند ہو تو نقشہ نمبر 1 میں درج تناسب تقریباً تین گنا زیادہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اس صورت میں سکول کے پورے طلبہ کا دس فیصد حصہ کامیاب ہو جائے گا۔ اس قسم کی خوش آئند

صورت حالات بڑے شہروں کے مضافات یا شہروں کے خوش حال علاقوں کے سکولوں میں دیکھی گئی۔ چنانچہ بینٹ ٹیسٹ میں سکول کی تعداد کا 20 فیصد حصہ بھی 125 نمبر حاصل کرسکتا ہے اور ایسے علاقوں کے سکولوں کے 120 سے زیادہ نمبر لینے والے طلبہ کے لیے تعلیمی منصوبہ تیار کرنے والا ناظم مدرسہ شاید یہ معلوم کر کے حیران رہ جائے کہ وہ اصل میں اپنے سکول کے طلبہ کی نصف تعداد کے لیے منصوبہ تیار کر رہا ہے۔ غریب اور پس ماندہ علاقوں کے سکولوں میں شاید صرف 5 فیصد طلبہ 120 نمبر حاصل کریں۔ مختلف طبقوں کے درمیان نمبروں کا اتنا زیادہ فرق بھی ان وجوہ میں سے ایک ہے جن کی بناء پر خداداد ذہانت کی زیریں حد کی ایک تعریف دوسری تعریف سے اتنی زیادہ مختلف ہوتی ہے۔

دو جمع دو ہمیشہ ہی چار نہیں ہوتے

اگرچہ بیشتر ذہنی امتحانات کے نتائج سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ درمیانی ذہانت کا بچہ ان ذہنی امتحانات میں 100 نمبر حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن امتحان کی انتہائی بلند اور انتہائی پست سطحوں پر نمبروں کی تعداد معلوم کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ایک سطح کے نمبروں سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو دوسری سطح کے نمبر ظاہر کرتے ہیں۔

نقشہ نمبر 2: دو مختلف عمروں کے بچے کسی امتحانی سسٹم (یا طریقے) میں کتنے نمبر حاصل کر سکتے ہیں

امتحانی طریقے یا سسٹم کا نام	زیادہ سے زیادہ نمبر 12 سال کے بچے کے	زیادہ سے زیادہ نمبر 14 سال کے بچے کے
اسٹنفر ڈ بنٹ	190	167
ویکسلر انٹیلی جنس اسکیل فار چلڈرن	154*	154*
اوٹس کوبک اسکورنگ ٹیسٹ آف مینٹل ایبلٹی	153	143
کیلیفورنیا ٹیسٹ آف مینٹل میچیورٹی	157	136
لورج تھارنڈائک انٹیلی جنس ٹیسٹ (وربل بیٹری)	147	150

اس نقشے (نمبر 2) میں دکھایا گیا ہے کہ 12 سال اور 14 سال کی عمروں کے بچے ان پانچ قسم کے ذہنی امتحانات میں (جن سے ذہانت کا اندازہ لگانے کا کام لیا جاتا ہے) زیادہ سے زیادہ کتنے نمبر حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ بات ایک ہی نظر میں معلوم کی جا سکتی ہے کہ جو بچہ بینٹ امتحان میں 190 نمبر لے سکتا ہے اس کے لیے ایک دوسرے امتحانی طریقہ ویکسلر ٹیسٹ میں اتنے نمبر حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ بات خلاف توقع نہ ہوگی اگر خداداد ذہانت رکھنے والے بچوں کے نمبر بھی مختلف قسم کے امتحانات میں کم وبیش ہو جائیں۔ اکثر اس کی بیشی کا سبب بچے کی ذہانت میں کمی بیشی نہیں بلکہ مختلف امتحانات کی مخصوص پابندیاں وغیرہ بتایا جاتا ہے۔

نقشہ نمبر 2 سے یہ راز کی بات معلوم ہوتی ہے کہ جس سکول میں بچوں کی خداداد ذہانت آزمانے کے لیے اوٹس ٹیسٹ سے کام لیا جاتا ہے۔ اس میں استاد کو 140 نمبر حاصل کرنے والے بچے ڈھونڈھ نکالنے میں بڑی محدود کامیابی ہوگی۔ اگر قابل

* معیاری نقشوں میں دیا ہوا نمبروں کا سب سے اونچا درجہ

حصول نمبر زیادہ سے زیادہ 143 ہوں تو اس ٹیسٹ میں 140 سے زیادہ نمبر لانے کے لیے بچے کو خاصی کڑی جدوجہد کرنی پڑے گی۔

غرض ذہنی امتحان میں ایک جیسے نمبر آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اور باتیں بھی یکساں ہیں۔ خاص کر ان امتحانات کی انتہائی بلند سطح پر تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی ذہنی امتحان میں حاصل کیے ہوئے نمبروں کی کسی تعداد سے اس وقت تک کچھ پتہ نہیں چلایا جاسکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ نمبر کون سے ٹیسٹ (یعنی مستعملہ پانچ امتحانی طریقوں میں سے کس طریقے) میں حاصل کیے گئے ہیں اور یہ بھی کہ اس آزمائش میں زیریں اور بالائی سطحوں پر کون کون سی مخصوص پابندیاں لگائی گئی تھیں۔

کیا خداداد ذہانت کے بچے بآسانی پہچان لیے جاتے ہیں؟

ایسے بچوں کے لیے منصوبہ بندی سے قبل اس قسم کے بچوں کو ڈھونڈھ نکالنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اساتذہ اپنی اپنی جماعتوں کے ایسے بچوں کو آسانی سے پہچان لیتے ہیں؟ تحقیق کی روشنی میں اس سوال کا جواب مایوس کن ہے! اس معاملے میں اساتذہ بار بار شناختی غلطیاں کرتے ہیں۔ اول تو وہ بہت سے ایسے طلبہ کو خداداد ذہانت سے بہرہ ور سمجھ لیتے ہیں جو انفرادی ذہنی امتحانات سے ایسے ثابت نہیں ہوتے۔ دوسرے وہ بعض ایسے بچوں کا ذکر تک نہیں کرتے جو ان امتحانات کی رو سے خداداد ذہانت سے متصف پائے گئے ہوتے ہیں اور ان کی یہ غلطی پہلی غلطی سے زیادہ سنگین ہوتی ہے۔

اس سے یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ یا تو اساتذہ غلط قسم کے رویے کو خداداد ذہانت کا نشان سمجھ کر اس کے مظاہرے کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں یا پھر اس قسم کے بعض ذہین طلبہ کمرۂ جماعت میں اپنی خداداد ذہانت کے اظہار سے باز رہتے ہیں۔ ویسے واقعہ یہی ہے کہ نمایاں ذہنی استعداد رکھنے والا بچہ کسی ایسے استاد کی نگاہوں سے چھپ ہی نہیں سکتا

جو خداداد ذہانت کے صحیح مظاہرے کی شناخت رکھتا ہو۔ اسی لیے اربابِ تحقیق نے اس باب میں زیادہ توجہ اساتذہ کی شناختی غلطیوں پر دی ہے۔ انہوں نے اس قسم کی غلطیوں کا تجزیہ کیا ہے جو غیر معمولی ذہین طلبہ کی شناخت میں اساتذہ سے سرزد ہوتی ہیں اور ان غلطیوں کی وجوہات بھی تفصیلاً سے بیان کی ہیں۔

بہت سے خداداد ذہانت کے بچے اپنی غیر معمولی حرکتوں کی وجہ سے' جو والدین اساتذہ اور پڑوسیوں سب کے سامنے ہوتی ہیں' صاف پہچانے جاسکتے ہیں۔ اگر تیسری جماعت کا ایک بچہ آٹھویں جماعت کی مشکل کتابیں پڑھتا رہتا ہو اور اپنے بڑوں سے طبیعات جوہر کے موضوع پر معقولیت سے گفتگو کر لیتا ہو اور اپنے طور پر راکٹ تیار کر رہا ہو تو ذہنی امتحانوں سے اس کے غیر معمولی ذہین ہونے کا پتہ چلنے کے بجائے تصدیق ہی ہوتی ہے۔ اس قسم کے جن بچوں کی شناخت میں سخت سے سخت دشواری پیش آتی ہے' وہ عام طور سے ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اساتذہ انہیں پہچاننے میں جن وجوہ سے ٹھوکر کھاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ غیر معمولی ذہین بچے سے اپنی جماعت کے کاموں میں خوشی اور سرگرمی سے حصہ لینے کے متوقع ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے ذہین بچے ایسا بھی کرتے ہیں لیکن چونکہ اس قسم کے بعض بچے روزمرہ اور پابندی کے کاموں سے گھبراتے ہیں اس لیے ان کے استاد انہیں بداطوار قرار دے دیتے ہیں۔ بعض دوسرے غیر معمولی ذہین بچوں کو استاد اس بناء پر کند ذہن بھی بتا دیا کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہم جماعتوں کی سرگرمیوں سے بے تعلق سے رہتے ہیں اور ان میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ حالانکہ عدم دلچسپی کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مذکورہ سرگرمیوں یا کاموں میں بجائے خود کوئی کشش ہی نہ ہو۔ اساتذہ کا یہ سمجھنا بھی غلطی کا باعث بن جاتا ہے کہ سبھی غیر معمولی ذہین بچے درمیانہ طبقے کے اونچے خاندانوں کے ہوتے ہیں۔ یوں وہ شہر کے پسماندہ اور غریب علاقے کے غیر معمولی ذہین بچوں کو امیرانہ ٹھاٹ باٹ نہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر جاتے ہیں۔

نقشہ نمبر 3: خداداد ذہانت رکھنے والے بچوں کو پہچاننے کے طریقے

نام طریقہ	خامیاں
انفرادی ذہنی امتحان	بہترین طریقہ ہے مگر چونکہ اس پر عمل درآمد کے لیے ماہرین کا وقت اور ان کی خدمات درکار ہوتی ہیں اس لیے مشکل ہو جاتا ہے اور محدود نفسیاتی سروسوں والے سکولوں میں طلبہ کی چھان بین کے معاملے میں ناقابل عمل ہے۔
اجتماعی ذہنی امتحان	عام طور سے چھان بین کے لیے مفید ہوتا ہے' مگر شاید ایسے خداداد ذہانت رکھنے والے بچوں کا اس کے ذریعے پتہ نہ چلایا جاسکے جنہیں پڑھنے میں دشواریاں پیش آتی ہوں یا جو جذباتی یا محرکاتی الجھنوں میں گرفتار ہوں۔
تکمیلی ذہنی امتحان	اس سے خداداد ذہانت رکھنے والے ان طلبہ کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا ہے جو تکمیل کی حد تک نہ پہنچے ہوں اس میں بھی وہی خامیاں ہیں جو اجتماعی ذہنی امتحان میں پائی جاتی ہیں۔
مشاہدۂ استاد	اس سے شاید وہ ذہین طلبا نہ پہچانے جائیں جو تکمیل کی حد کو نہ پہنچے ہوں۔ جو محرکاتی اور جذباتی الجھنوں میں گرفتار ہوں اور جو سکول کی سرگرمیوں سے بے تعلق رہتے ہوں۔ اس طریقے میں بغرض تکمیل' ذہانت اور تکمیل کے امتحانات کے قاعدے شامل کرنے چاہئیں۔

نقشہ نمبر 3 میں وہ سب طریقے شمار کرائے گئے ہیں جو کمرۂ جماعت میں خداداد ذہانت کے بچوں کو پہچاننے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ہر چند انفرادی ذہنی امتحان کا طریقہ سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ شناخت ہے لیکن چونکہ ماہرین کا وقت

زیادہ لیتا ہے اس لیے صرف اس حد تک قابل عمل ہے کہ دوسرے طریقوں میں سے کسی ایک کی مجوزہ شناخت کی تصدیق اس سے ہو جائے۔ اجتماعی ذہنی امتحان میں بہت سے ایسے غیر معمولی ذہین بچے رہ جائیں گے جنہیں اس سے دلچسپی نہ ہوگی یا جو پڑھائی میں نہ چل سکیں گے۔

تکمیلی ذہنی امتحان ہر چند ایک مفید طریقہ ہے لیکن اس میں وہ غیر معمولی ذہین بچے رہ جائیں گے جو سکول کے ماحول سے ہم آہنگ نہ ہوں گے۔ نیز اس قسم کے وہ بچے بھی شناخت نہ ہو سکیں گے جو اجتماعی ذہنی امتحان میں رہ گئے ہوں گے۔

جہاں تک اساتذہ کے مشاہدات کی افادیت یا عدم افادیت کا تعلق ہے' ان کے اندازے غلط ہو سکتے ہیں جو کوئی عجوبہ بات نہیں لیکن اگر انہیں ایسے بچوں کے طور طریقے پہچاننے کی تربیت دی جائے تو قدرے اصلاح بھی ہو سکتی ہے۔ ایک استاد کو اپنے مشاہدات کے ذریعے ایسے تمام ذہین بچوں کی شناخت میں ناکامی پر بددل نہیں ہونا چاہیے۔ ماہرین علم النفس بھی' اگر ان کے ہاتھ میں ذہنی امتحان جیسا کارگر ہتھیار نہ ہو' خداداد ذہانت کے بچوں کی شناخت میں دِقت محسوس کرتے ہیں۔

ایسے بچوں کو پہچاننے کا بہترین ممکنہ طریقہ جو آج کل بیشتر سکولوں کی دسترس میں بھی ہے وہ یہ ہے کہ اجتماعی ذہنی امتحان اور اسی کے ساتھ تکمیلی امتحان مع اساتذہ کی ایسی تربیت کا تعلق بچوں کے حرکاتی خصائص سے ہو۔ جو بچے ان امتحانوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں' ان کی صلاحیت کی تصدیق انفرادی ذہنی امتحان کے نتائج سے ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ سب طریقے آزمانے کے بعد بھی ممکن ہے کہ بعض خداداد ذہانت کے بچے شناخت سے رہ جائیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر ان سے کمتر درجے کے طریقے اختیار کیے جائیں گے تو بہت سے ایسے بچے جن میں خداداد ذہانت کا جوہر پوشیدہ ہوگا' نظروں سے اوجھل ہی رہیں گے۔

خداداد ذہانت والے بچے کیسے ہوتے ہیں؟

ایسے بچوں کی حرکات وسکنات کی وہ کون سی امتیازی خصوصیات ہیں جن سے ایک استاد جوہر قابل کی شناخت اور اس کے لیے منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔ ان بچوں کی اس قسم کی خصوصیتیں سالہا سال تک ریسرچ کرنے والوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہیں۔ چنانچہ غیر معمولی ذہین' غبی اور اوسط ذہانت کے بچوں کے گروپوں کا تقابل کر کے ان امتیازی خصوصیات کا انکشاف کیا گیا ہے' جن کے قدرتی ذہانت رکھنے والے بچوں میں پائے جانے کی توقع ہوسکتی ہے۔ اگرچہ ایسے بچے عام بچوں کے ساتھ اجتماعی تقابل میں ان سے کمتر نہیں رہتے لیکن وہ عمر زیادہ ہونے کے باوجود قلیل الجثہ' ماحول سے بے زار یا غیر مطمئن' جذباتی اضطراب کا شکار اور ذہنی طور پر بے مدعا ہوتے ہیں (اگر آپ کی جماعت میں کوئی بچہ ایسا بیٹھا ہے جس میں یہ سب ناگوار خصوصیات جمع ہوگئی ہیں تو گویا کمرۂ جماعت کی ایک کرسی پر ایک ناپسندیدہ انسانی گٹھڑی دھری ہوئی ہے)۔ الگ الگ بچوں کے مطالعۂ حالات سے کسی خاص غیر معمولی ذہین بچے کے مزاج کے باہمی تعلق کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور اس طریقے سے ایسے بچوں کی الجھنوں کو سمجھنے میں جتنی مدد ملتی ہے' اتنی ان کے گروپوں کے بارے میں عمومی حقائق معلوم ہو جانے سے نہیں ملتی۔

خاندانی پس منظر:

خداداد ذہانت رکھنے والے بچوں کے بارے میں ریسرچ کرنے والے تمام اہل رائے اس امر پر متفق ہیں کہ ان کے خاندانی حالات مجموعی طور پر اوسط ذہن کے بچوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ ان کے خاندانوں میں تعلیم کا چرچا معمولی قسم کے گھرانوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ طلاق بازی کم ہوتی ہے۔ اور معقول آمدنیاں ہونے کی وجہ سے خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے۔

مگر گنتی کے چند خاندان ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جن کے حالات مذکورہ بالا حالات کے بالکل برعکس رہے ہیں۔ تاہم انہیں میں سے قابل رشک ذہنی صلاحیتوں کے مالک بچے اٹھے حالانکہ ان خاندانوں کے ماحول میں کسی جوہر قابل کے پلنے بڑھنے کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ استاد کو یہ بات بعید از امکان نہیں سمجھنی چاہیے کہ شہر کے کسی تنگ و تاریک اور پسماندہ علاقے سے پھٹے پرانے یا ناکافی کپڑوں میں آنے والا ایک بچہ اپنی خراب حالت کے باوجود خداداد ذہانت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔

نحیف یا قوی:

اس قسم کے بچے اجتماعی طور پر دُبلے پتلے اور کمزور نہیں ہوتے بلکہ از روئے تحقیق وہ قد، وزن، قوتِ گرفت اور مزاحمت امراض کے معاملے میں اوسط ذہانت کے ہم جماعت بچوں کے مساوی یا ان سے کچھ بہتر ہی ہوتے ہیں۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خداداد ذہانت کی پہچان کے لیے کسی جسمانی وصف کو شناختی خصوصیت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ خداداد ذہانت کے بچے خوبصورت اور تنومند ہی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے چہرے خوش وضع نہ ہوں۔ ان کی صحت اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ صرف صورت سے جوہر قابل کو پہچان لینا ناممکن ہوتا ہے۔

کیا خداداد ذہانت کے بچے متلون مزاج ہوتے ہیں؟

مشہور زمانہ ہستیوں کے بارے میں بے بنیاد قصوں کی طرح غیر معمولی ذہین بچوں کے بارے میں یہ بات مشہور چلی آ رہی ہے کہ وہ متلون مزاج ہوتے ہیں اور اس کی جو وجہ بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ذہنی برتری اور جذباتی استقامت جیسے دو اوصاف یکجا نہیں ہوا کرتے۔ لیکن جدید تحقیق کے نتائج سے اس مفروضے کی تردید ہوتی ہے۔ خداداد ذہانت کے بچے اوسط دماغی قابلیت کے بچوں سے زیادہ مستقل مزاج

ہوتے ہیں' نیز وہ جلد بازی اور اضطراب کا شکار بھی نہیں ہوتے اور اپنی الجھنیں دور کرنے اور مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت تو ان میں عام بچوں سے زیادہ ہی ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسے غیر معمولی ذہین بچے کہیں ملتے ہی نہیں جن میں جذباتی اضطراب یا ہیجان پذیری کا مادہ ہو۔ ہمارے سکولوں میں ہی ایسے بچوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے' کہنا صرف یہ ہے کہ ایک غیر معمولی ذہین بچہ اپنی خداداد ذہانت کی وجہ سے جذباتی اضطراب میں مبتلا نہیں ہوا کرتا۔ وہ وجوہات جن سے اس قسم کے بچے مضطرب ہوتے ہیں' ان وجوہات سے بالکل مختلف نہیں ہوتیں جو معمولی ذہن کے بچوں میں اضطراب نمودار ہونے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔

چونکہ ذہنی برتری اور جذباتی اضطراب کے باہمی تعلق کے مفروضہ کو بار بار اچھالا جاتا رہا ہے اس لیے قدرتی طور پر ہم ایک لمحے کے لیے رُک کر یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا آ رہا ہے۔ اس صورتحال کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ہر اس بات یا عمل کو جو عام روش سے کچھ ہٹا ہوا ہو "غیر صحت مند" قرار دینے کا رجحان عام ہے' جو بچہ اپنے گیند کو چھوڑ کر طبیعاتِ جوہر کے بارے میں سوچ بچار کرنے لگے' اسے لوگ جھٹ خبطی کہنے لگتے ہیں۔ جدید تحقیق نے اس غلط ذہنیت کے کھوکھلے پن کو غلط ثابت کر دیا۔ لوگ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ اوسط درجے کے ذہن و دماغ کے انسان ہی صحت جذبات کے نمائندے ہوتے ہیں مگر جدید ریسرچ کا فیصلہ یہ ہے کہ غیر معمولی ذہن و دماغ کے انسان صحت جذبات سے عاری نہیں ہوتے۔

ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ فنونِ لطیفہ کے قابل قدر تخلیقی کارنامے انہیں انسانوں نے پیش کیے جن کا ولولۂ اظہار اپنے جذبات کی کش مکش سے رستگاری کا آئینہ دار تھا جیسے بیتھوون اور فان گوگ۔ ان زندۂ جاوید ہستیوں کی تخلیقی سرگرمیوں سے خود انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا مگر ان کا ماحصل ترقی تہذیب کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

عام لوگ غیر معمولی ذہین بچوں کو "عجیب" سمجھنے کے مفروضے سے دستبردار

ہونے کو تیار نہیں ہوتے۔ کیونکہ معمولی ذہن کے بچوں کے باپ ہونے کی وجہ سے انہیں غیر معمولی ذہین بچوں کو ''عجیب'' سمجھنے میں مزہ آتا ہے۔ آپ نے والدین کو اپنے بچوں کے بارے میں اس قسم کے فقرے کہتے ہی سنا ہی ہوگا کہ ''ٹھیک ہے میرا بچہ غیر معمولی ذہانت کا مالک نہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس کے دماغ میں کوئی خرابی نہیں ہے۔''

غیر معمولی ذہین بچوں کی ہردلعزیزی اور غیر ہردلعزیزی کا مسئلہ: ایک غور طلب مسئلہ یہ بھی ہے کہ آیا ایک بچے کی برتر دماغی قابلیت اور اس کی خداداد ذہانت ہم عمر لڑکوں میں امتیاز کا باعث ہوتی ہے یا اس کے لیے وبال جان بن جاتی ہے؟ علوم کی تیز رفتار اور ہمہ گیر ترقیاں اس سوال کا واضح اور غیر مبہم جواب فراہم کر رہی ہیں۔ ادبیات کے حالیہ محکموں سے پایا جاتا ہے کہ معاشرے میں ہردلعزیزی یا مجلسی مقبولیت کا برتر ذہنی قابلیت سے بڑا قریبی تعلق ہے۔ بچہ جتنی زیادہ خداداد ذہانت کا مالک ہوگا' معاشرے میں اتنا ہی زیادہ ہردلعزیز ہوگا۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ابتدائی جماعتوں کے بچے اپنے ذہین ہم جماعتوں سے دور بھاگتے ہیں یا ان کا مجلسی بائیکاٹ کرتے ہیں۔

وہ محقق جنہوں نے خداداد ذہانت رکھنے والے بچوں کے مسائل کی تحقیق کا آغاز کیا تھا' انہیں اندیشہ تھا کہ ذہنی امتحان میں 160 یا اس سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے غیر معمولی ذہین بچے کو اپنے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ میل ملاپ رکھنے میں دقتیں پیش آئیں گی کیونکہ اس کے رجحانات ان سے مختلف ہوں گے۔ مگر حالیہ مشاہدات سے واضح ہوگیا ہے کہ ایسا ہونا ضروری نہیں۔ بہت سے غیر معمولی ذہین بچے اپنے ہم عمر ساتھیوں سے بلاتکلف دوستانہ کر لیتے ہیں۔ نئی تحقیق سے اس مفروضے کی تصدیق نہیں ہوتی کہ کسی بچے کو اس کے ہم عمر اس لیے ناپسند کرتے ہیں کہ وہ ان سے زیادہ ذہین ہے۔ معاشرتی ہم آہنگی کے ہر کیس کی جانچ اس کے مخصوص محرکات اور مواقع کو سامنے رکھ کر علیحدہ طور پر ہونی چاہیے۔ صرف اسی طرح اس معاملے سے متعلق الجھنوں کا سبب

دریافت ہوسکتا ہے۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ خداداد ذہانت کے بچوں کو معاشرتی یا مجلسی الجھنیں در پیش نہیں ہوتیں، مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اگر کوئی ایسا غیر معمولی ذہین بچہ آپ کے علم میں آئے جو الجھنوں میں گرفتار ہو تو اغلب یہی ہوگا کہ اس کی یہ الجھنیں اس کی خداداد ذہانت کی بجائے بعض دوسرے اسباب کا نتیجہ ہوں گی۔ شاید ایسا ہو کہ وہ جس وجہ سے اوروں کے ساتھ نہ چل سکتا ہو وہ نوعیت میں ان وجوہ سے مختلف نہ ہوں جن سے اوسط ذہن کے بچوں کی بھی اپنے ساتھیوں سے نہیں بنا کرتی۔ ان میں سے بڑی بڑی وجوہ ہوا کرتی ہیں: جذباتی ناپختگی، معاندانہ یا دشمنانہ رویہ یا ایسی قدروں کو ماننا جو دوسرے ہم عمر بچوں کی قدروں سے مختلف ہوں۔

اکثر اوقات اساتذہ غیر معمولی ذہین بچوں کے باہمی میل جول اور دوستی کی بناء پر قائم ہو جانے والی گروہ بندی سے یہ اندیشہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ یہ ذہین ٹولی کم ذہین بچوں کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہوئے غرور بیجا کی وبا پھیلا دے گی جس کا دفعیہ مشکل ہوگا۔ اس قسم کی خاص گروہ بندی کی مخالفت کی ایک معقول ترین وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس طرح غیر معمولی ذہین بچے احساسِ برتری میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے اس طرزِ عمل سے دوسرے بچوں کی بھی ایسا رویہ اختیار کرنے کے معاملے میں ہمت افزائی ہوگی۔

یہ کہنا تو خیر بے وقوفی ہے کہ ایسی باتیں کبھی نہیں ہوتیں۔ تاہم شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس قسم کے شکوک و شبہات حقیقی سے زیادہ خیالی ہوتے ہیں۔ ذہین اور اوسط ذہن والے، دونوں قسم کے بچے، جن وجوہ سے دوسرے بچوں کے ساتھ دوستیاں کرتے ہیں ان میں ذہنی قابلیت کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں شامل ہوا کرتی ہیں جیسے گھروں کا درمیانی فاصلہ وغیرہ۔ ابتدائی جماعتوں میں ایک ذہین بچہ جو دوست بناتا ہے ان میں اوسط ذہانت کے بچے یا ان سے بھی کمتر درجے کے بچے بھی شامل ہوتے ہیں اور اگر

معمولی عقل وفہم کے بچے اسے دوست بنانا چاہیں تو وہ یہ خیال دل میں لائے بغیر ان کا دوست بن جاتا ہے کہ وہ ذہین ہے جبکہ یہ لڑکے اس جتنے ذہین نہیں ہیں۔

اچھے سکول میں تکمیل تعلیم کس حد تک افادی ہوتی ہے؟

ذہانت کے تکمیلی امتحانات میں خداداد ذہانت رکھنے والے بچے مجموعی طور پر اوسط ذہن کے بچوں سے زیادہ نمایاں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ جماعت کا استاد دیگر معلومات کی عدم موجودگی میں کسی بچے کی تعلیمی ترقی ہی سے مطمئن ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس نے اپنی جماعت کے معیار کے مطابق اچھے نمبر حاصل کر لیے ہوں۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ خاص معیار ان بچوں کے معاملے میں بھی قابل قبول ہونا چاہیے جو ذہنی طور پر دوسروں سے برتر ہوتے ہیں؟ کیا دس سال کی عمر کے جس غیر معمولی ذہین بچے نے ذہنی امتحان میں 150 نمبر لیے ہوں اسے پانچویں جماعت کے عام بچوں ہی کے برابر کامیابی حاصل کرنی چاہیے۔

متعدد حضرات نے یہ اندازہ کرنے کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے کہ ذہین بچوں سے کتنی تکمیل (تعلیم) کی توقع کی جا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل قاعدے سے "تکمیلی حاصل قسمت" معلوم کر کے اس سے مدارج تکمیل کے بارے میں اندازہ لگاتے ہیں۔

$$\text{تکمیلی عمر کا حاصل قسمت} = 100/1 \times \frac{\text{تکمیلی امتحان کے وقت عمر}}{\text{ذہنی امتحان کی رُو سے ذہنی عمر}}$$

چنانچہ اگر سات سال کی عمر کا ایک بچہ ذہنی امتحان میں دس سال کی ذہنی عمر کا درجہ حاصل کر چکا ہے تو اس کے لیے 100 نمبر کا تکمیلی حاصل قسمت حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ پڑھائی کے امتحان میں دس سالہ تکمیلی عمر کا درجہ پائے۔

اگرچہ ماہرین نے اس قاعدے میں واضح نقائص کی نشاندہی کی ہے' اس کے باوجود یہ ابھی تک رائج ہے گو کسی عمل اور قابل عمل کلیے کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔

اس گمراہ کن قاعدے کی وجہ سے اکثر تحقیقی کوششوں کے نتائج حقیقت کے بالکل برعکس نکلے ہیں۔ ایک غیر معمولی ذہین بچے کا تکمیلی حاصل قسمت اچھا آنا چاہیے۔ لیکن اس قاعدے کی رو سے غبی یا کند ذہن طالب علموں کا تکمیلی حاصل قسمت ذہین طلبہ سے زیادہ نکلا۔ کیا کند ذہن طلبہ' ذہین طلبہ سے برتر ذہن کے مالک قرار دیے جا سکتے ہیں؟ اس سوال کا کوئی جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ تکمیلی حاصل قسمت کو اس کے واضح نقائص کے باعث کسی نتیجے کی بنیاد قرار ہی نہیں دیا جا سکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم بچے کی اصلی اور ذہنی دونوں عمروں میں سے کسی ایک عمر کو استعمال نہ کریں تو پھر ایک غیر معمولی ذہین بچے کی تکمیل کا معیار معلوم کرنے کا ہمارے پاس کیا ذریعہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک طریقہ ایسا موجود ہے جس کے قاعدے سے ریاضی اور خواندگی دونوں کے امتحانات میں ذہین بچے کی متوقع تکمیل یا کامیابی کی جانچ کی جا سکتی ہے۔

67ء کے عدد کو خواندگی کے امتحان اور ذہنی امتحان کے نمبروں کے درمیان لزوم کا درجہ دیتے ہوئے یہ قاعدہ بنایا جا سکتا ہے:

$$\text{متوقع تکمیلی عمر} = \frac{\text{اصلی عمر} \times 1 + \text{ذہنی عمر} \times 2}{3}$$

چنانچہ اگر ایک بچے کی عمر آٹھ سال اور ذہنی عمر گیارہ سال ہے تو اس کی متوقع تکمیلی عمر ہوگی:

$$\frac{8 \times 1 + 11 \times 2}{3} = 10 \text{ سال}$$

اس سے ایک اور اہم بات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اگر یہ بچہ تیسری جماعت کے معیار پر پورا اترتا ہو تو خواہ یہ پڑھائی میں اس جماعت کے دوسرے بچوں کے برابر یا ان سے تھوڑا بہت بہتر ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کی رفتار ترقی کو تکمیل کے معیار سے پست ہی سمجھا جائے گا۔

اگر 67ء کی بجائے 50ء کے عدد کو حساب کے امتحان اور ذہنی امتحان کے نمبروں کے درمیان لزوم مان لیا جائے تو یہ قاعدہ حساب کی متوقع تکمیلی عمر کے قاعدے میں اس طرح تبدیل ہو جائے گا:

$$\frac{\text{ذہنی عمر + اصلی عمر}}{2} = \text{متوقع تکمیلی عمر}$$

اس صورت میں مذکورہ بچے کی حسابی تکمیلی عمر یوں نکالی جائے گی:

$$\frac{8 + 11}{2} = 9.5 \text{ سال}$$

یعنی حساب کی متوقع تکمیلی عمر خواندگی یا پڑھائی کی متوقع تکمیلی عمر سے قدرے کم ہوگی اور یہ فرق قابل مشاہدہ حالات اور نظریۂ امتحان دونوں کے عین مطابق ہے۔

حساب میں کمزوری:

متعدد اساتذہ کا مشاہدہ یہ ہے کہ غیر معمولی ذہین بچے پڑھائی کی نسبت حساب میں کم نمبر حاصل کرتے ہیں۔ ایک جامع امتحان کے ذیلی امتحانات میں 35 غیر معمولی ذہین طلبہ میں سے 34 حساب کی نسبت پڑھائی میں زیادہ اچھے رہے۔ لیکن یہ یقین کرنے کی ہر وجہ بھی موجود ہے کہ غیر معمولی ذہین بچوں کے حساب میں کم نمبر آنے کی اصل ذمہ داری بڑی حد تک تکمیلی امتحانات کی تشکیل و ترتیب پر ہوتی ہے۔

حساب کے تکمیلی امتحان اس طرح لیے جاتے ہیں کہ چند سوال تفریق کے' اسی طرح چند جمع کے اور باقی قاعدوں کے بھی تھوڑے تھوڑے سے سوالات پوچھ لیے۔ یہ حساب کی تعلیم کا باقاعدہ ڈھنگ نہیں ہے۔ غیر معمولی ذہین بچے پڑھنا لکھنا تو از خود بھی سیکھ لیتے ہیں اور اس میں مشق سے مہارت بھی پیدا کر لیتے ہیں لیکن جہاں تک حساب کا تعلق ہے بچہ اسے باقاعدہ اور منضبط تدریس کے بغیر نہیں سیکھ سکتا۔

خدا داد ذہانت کے بچے سبق میں اپنی جماعت سے آگے رہنے کی کوشش کیا

کرتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا تخلیقی کارنامہ تو ہے مگر زیادہ تر غیر مؤثر رہتا ہے۔ اکثر از خود پڑھنے کی کوشش سے یہ ہونے لگتا ہے کہ زیادہ مؤثر طریقوں سے دی گئی تعلیم بچے کو زیادہ مشکل نظر آتی ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر وہ اپنی تخلیقی قسم کی کوششوں سے بھی اکتا جائے۔

اصل دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچہ ہندسی نظام یا معاشرتی علوم یا سائنس کے بنیادی تصورات کا کتنا گہرا فہم رکھتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے یہی ایک ایسا سوال ہے جس کا ہمارے جدید تکمیلی طریقہ ہائے امتحان پر عمل کرنے والوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے! جو امتحانات بہتر انتظامات کے ساتھ لیے جاتے ہیں وہ بھی واقعاتی مواد پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ ایک ذہین بچہ تکمیلی امتحان میں زیادہ نمبر لیے بغیر بھی قحط اور جارحیت اقوام کے تعلق یا کسی ہندسی نظام کے 2 کے ہندسے کی بجائے 10 کے ہندسے سے شروع ہو سکنے کے امکان' یا روشنی کی لہروں اور آواز کی لہروں کے ابین تعلق کو سمجھ سکتا ہے۔

پس ہماری اولین ضرورت امتحان کے ایسے طریقے وضع کرنا ہے جن کی مدد سے بچے کے ارتباطِ خیالات کے ڈھنگ اور اس بصیرت کا جائزہ لیا جا سکے جو اس نے مطالعہ سے پیدا کی ہے۔

وہ جو صلاحیت کے باوجود کچھ نہیں کرتے

استاد کے لیے ایک انتہائی دل شکن تجربہ، جس پر وہ جھلا اٹھتا ہے، یہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی شاگرد، جو ظاہر طور پر بڑا ذہین و عقلمند ہو، ٹھیک طرح پڑھ نہ سکے یا کم از کم وہ نہ سیکھے جو استاد اسے سکھانا چاہے۔ ایسے بچوں کو ''محروم تکمیل بچے'' قرار دیا گیا ہے۔
یہ ظاہر ہی ہے کہ غیر معمولی ذہین بچوں کے اس رویے کی بہت سی وجوہ ہوں گی۔ محققوں نے ان ''بے تکمیل'' بچوں کا تقابل تکمیل حاصل کرنے والے غیر معمولی ذہین بچوں کے ساتھ کیا تو یہ پتہ چلا کہ اول الذکر بعض مخصوص الجھنوں کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں ''مزہ چکھانے'' کے لیے تعلیم پر پوری توجہ نہیں دیتے۔ ان کا ''محروم تکمیل'' رہنا اپنے والدین کے خلاف استعمال کرنے کا ایک قوی حربہ ہوتا ہے جو ان کی تکمیل تعلیم کو اہمیت دیتے ہیں۔ بعض دوسرے غیر معمولی ذہین بچے کسی جذباتی الجھن کی وجہ سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ بچے کی ذہنی کشمکش نے اس کی توانائی کو اس طرح ختم کر کے رکھ دیا ہوتا ہے کہ وہ سکول کا کوئی کام کرنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ اس قسم کے بعض دیگر بچے اس معاملے میں اپنے والدین کی تعلیم اور ذہانت سے بیگانگی کا ثبوت دیتے ہیں۔

ایک حالیہ مشاہدۂ حالات سے اس بات کی تصدیق ہوگئی ہے کہ کسی بچے کی ''محرومی تکمیلی'' کا تعلق نقائص تدریس کی بجائے اس کی اپنی جذباتی زندگی سے ہوتا ہے۔ معلوم کیا گیا ہے کہ ''محروم تکمیل'' بچے اپنے بارے میں یہ احساس رکھتے ہیں کہ وہ نہ تو اپنی مرضی سے کچھ کر سکتے ہیں، نہ دل کی بات زبان پر لا سکتے ہیں اور نہ حالات سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جبکہ (اپنی تعلیم کی) مناسب تکمیل حاصل کرنے والے بچوں کے احساسات یہ ہوتے ہیں کہ انہیں یہ سب کچھ کرنے کی پوری آزادی ہے۔
غرض استاد کو بچے کی فلاح و بہبود کے لیے منصوبہ بندی کرتے وقت یہ نکتہ ملحوظ

رکھنا چاہیے کہ "محرومیٔ تکمیل" کا ذاتی الجھنوں اور ماحول سے مطابقت یا عدم مطابقت کے مسائل سے بڑا مضبوط تعلق ہوا کرتا ہے۔ ایسے بہت سے غیر معمولی ذہین بچے جو محروم تکمیل ہوں کسی ماہر نفسیات یا مجلسی اصلاح کا کام کرنے والوں کے فیض ہدایت سے راہ پر آسکتے ہیں۔ اساتذہ کا جب اس قسم کے شاگردوں سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ انہیں ایسے اسباق کے ذریعے ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں جو نصابی اسباق سے مختلف ہوں اور دل و دماغ کو زندہ و بیدار کر سکتے ہوں۔ یہ طریقہ تو خیر ہر بچے کے ساتھ اختیار کرنا چاہیے لیکن اگر غیر معمولی ذہین بچوں کے معاملے میں یوں مطلب حاصل نہ ہو تو ماہرین نفسیات کے ذریعے ان کی الجھنوں کا گہرا سبب معلوم کر کے اسے دور کرانا چاہیے۔

کیا ذہنی امتحان میں اچھے نمبر آنا ایک اتفاقی امر ہوتا ہے؟

ہماری موجودہ معلومات اس خیال کی تصدیق کرتی ہیں کہ قدرت کا قانون مکافات نہیں، ربط باہم ہے۔ چنانچہ اگر کسی بچے کو ترقی کے کسی ایک شعبے میں برتری حاصل ہو تو یہ بات قرین انصاف ہوگی کہ وہ اس قسم کے دوسرے شعبوں میں پسماندہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی بچہ کسی ایک شعبے میں رکاوٹیں محسوس کرتا ہو تو وہ دوسرے شعبوں میں برتری حاصل کر کے اپنے نقائص کا بدل کر سکتا ہے۔ لیکن تحقیق کا فیصلہ یہ ہے کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جو بچے مجلسی اور جذباتی صلاحیتوں سے متصف سمجھے جا سکتے ہیں وہی ذہنی قابلیت کے لحاظ سے بھی برتر ہوتے ہیں اور جن بچوں سے جذباتی ترفع اور مجلسی ہم آہنگی کی کم توقع ہوتی ہے، ان میں ذہنی صلاحیت کا بھی فقدان ہوتا ہے۔

لیکن کیا کسی بچے کی اعلیٰ درجے کی ذہانت اس امر کی ضامن ہوتی ہے کہ اس میں دیگر سازگار خصوصیات بھی ضرور ہوں گی؟ ہر چند یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اعلیٰ درجے

کی ذہانت ہر دلعزیزی کا ذریعہ بن جاتی ہے' ہم اس دلیل کا سہارا لے سکتے ہیں کہ چونکہ ذہین بچے میں مجلسیت کا شعور نسبتاً زیادہ ہوتا ہے اس لیے وہ دوستوں اور واقف کاروں کا حلقہ آسانی سے وسیع کر سکتا ہے۔ لیکن کیا حقیقت میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے؟ شاید عملی طور پر مجلسی ہر دلعزیزی کے لیے اعلیٰ درجے کی ذہانت سے مختلف لوازم اس سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔

مثلاً ایک چیز تو جیسا کہ ہم جانتے ہیں یہی ہے کہ ذہین بچوں کے خاندانوں میں استحکام اور خوشحالی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ کیا یہ بت نہیں ہوسکتی کہ ان بچوں کی ذہانت سے زیادہ ان کے بنے بنائے خاندانی تعلقات مجلسی ہر دلعزیزی کا سبب بن جاتے ہوں ' گویا صرف اعلیٰ ذہنی قابلیت کو مجلسی ہر دلعزیزی کا سبب قرار دینے سے پہلے اس مسئلے کے ان سب پہلوؤں پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے جو ابھی سامنے نہیں آئے ہیں۔

ان معلومات میں خدا داد ذہانت رکھنے والے بچوں کی خصوصیات سے متعلق جو اشارات اساتذہ کے لیے موجودہ ہیں' انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

1- ایسے بچوں کو بھی وہی مجلسی' جذباتی' تعلیمی یا محرکاتی پیچیدگیاں یا مشکلات درپیش ہوسکتی ہیں' جو کم ذہین بچوں کی پڑھائی وغیرہ میں رخنہ انداز ہوتی ہیں۔ یہ بات کہ ایسی مشکلات سے غیر معمولی ذہین بچوں کو کم ہی واسطہ پڑتا ہے' اس قسم کے اس بچے کے والدین یا استاد کے لیے وجہ تسلی نہیں ہوسکتی' جسے اس قسم کی مشکلات بیچ بیچ پیش آ رہی ہوں۔

2- اگر ماحول سے عدم مطابقت کی خاص پیچیدگیاں موجود ہوں تو اس غرض سے استاد کی حوصلہ افزائی اور امداد کرنی چاہیے کہ وہ ان کے ممکن اسباب کی تلاش کرے۔ اعلیٰ درجے کی ذہانت بجائے خود کسی مجلسی یا جذباتی پیچیدگی کی ذمہ دار نہیں ہوا کرتی' اس لیے اس نوع کی پیچیدگیوں کو برتر ذہانت کا قدرتی نتیجہ قرار نہیں دینا چاہیے کیونکہ آخر غیر معمولی ذہین بچوں کی ایک بڑی تعداد نے

اپنے ماحول اور حالات سے مطابقت بھی تو پیدا کر لی ہے۔

3- ''محرومیٔ تکمیل'' یا فقدان حرکیت کی جڑیں اکثر سکول سے باہر کے حالات میں ہوا کرتی ہیں۔ ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے اساتذہ اور ماہرین نفسیات کی متحدہ کوششوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

4- کسی الجھن یا پیچیدگی کی اصل وجوہ کا پتہ چلائے بغیر نصابِ تعلیم میں تغیر و تبدل سے ان بچوں کی اصلاح نہیں ہوگی جو کافی عرصے سے کسی الجھن میں مبتلا چلے آ رہے ہوں۔

خداداد ذہانت رکھنے والے بچوں کے زاویۂ نگاہ کا لحاظ رکھنا چاہیے

مشہور مزاح نگار آنجہانی رابرٹ بنچلے جن دنوں کالج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، ان سے روس اور امریکہ کے اس جھگڑے پر مضمون لکھنے کی درخواست کی گئی، جو اُن دنوں اِن دونوں ممالک کے درمیان سامن مچھلی کے شکار کے حقوق کے سلسلے میں چل رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ''میں چونکہ نہ روس کے نقطۂ نظر سے واقف ہوں، نہ امریکہ کے، اس لیے اس مسئلے پر خود سامن مچھلی کے نقطۂ نظر سے بحث کروں گا۔'' سکول والوں کے لیے بھی بعض صورتوں میں یہی طریقہ مفید رہتا ہے کہ کسی بچے کے معاملے پر اوپر والوں کے لیے زاویۂ نگاہ سے نہیں بلکہ خود اس بچے کے زاویۂ نگاہ سے غور کیا جائے۔

ذہین بچوں کے مسائل یا مشکلات

یہ بات اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ کوئی بچہ محض غیر معمولی ذہین ہونے کی وجہ سے ان مختلف قسم کی جذباتی الجھنوں' محرکاتی پیچیدگیوں یا تصادمِ اقدار سے پیدا ہونے والی مشکلات سے محفوظ نہیں رہ سکتا' جو اس کی عمر کے دوسرے بچوں کو پیش آتی ہیں۔ موافق حالات رکھنے والے غیر معمولی ذہین بچے تک اپنی برتر ذہانت کی وجہ سے کسی نہ کسی خاص پیچیدگی میں گرفتار ہوتے ہیں۔

جہاں تک جماعتی نصاب کا تعلق ہے ایک غیر معمولی ذہین بچے کو اپنے شعور اور ذہانت سے کام لے کر اس نصاب کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنی ہی پڑتی ہے' چنانچہ اسے جس مواد پر عبور حاصل ہو چکا ہوتا ہے اسے باقاعدگی اور انضباط کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ پھر جب کبھی جماعت کے دوسرے بچے نصاب کے بارے میں گر کی باتیں نہ جاننے کی وجہ سے سبق کی تہ تک نہیں پہنچتے' ایسے موقعوں پر بھی اس کو اپنی خصوصی صلاحیت کے جوہر دکھانے پڑتے ہیں۔

اس کے لیے دوسرے بچوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا مسئلہ بھی خاصا حل طلب ہوتا ہے جیسا کہ ایک محقق نے کہا ہے ''ذہین غیر معمولی ذہین بچے میں بیوقوفوں کو انگیز نے'' کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے اور اسے ایسی سخت کلامی سے بھی احتراز کرنا چاہیے جس سے کمتر ذہانت کے بچوں کے دلوں میں اس کی طرف سے مخالفانہ یا دشمنانہ جذبات پیدا ہو سکتے ہوں۔ مثلاً اس قسم کے فقرے زبان پر نہیں لانے چاہئیں جیسے ''کیا تم بہرے ہو؟'' کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟ کیا تم کو ایک ہی بات بار بار سمجھانی پڑے گی؟'' اسے ضبط و تحمل سے کام لینا پڑے گا۔ ورنہ دوسرے بچے اسے اپنی برادری سے خارج کر دیں گے۔

اسی طرح ایک غیر معمولی ذہین بچے کو اپنے غیر معمولی خیالات کے اظہار کے

لیے بھی حدود کا تعین کرنا چاہیے۔فرض کیجئے جماعت میں امریکی خانہ جنگی کے سبق میں اس کے اسباب وعلل پر بحث چھڑ گئی ہے اور مسئلہ غلامی کو اس کا سبب قرار دینے کا رجحان پایا جاتا ہے۔اب اگر اس جماعت کے ایک بچے کا اپنا خیال یہ ہو کہ اس خانہ جنگی کے غلامی کے علاوہ اور اسباب بھی تھے تو کیا اسے یہ غیر معمولی خیال پیش کر کے سارا معاملہ درہم برہم کر دینا چاہیے؟ اسی طرح آیا یہ کہہ کر کہ پانی کی بعض اقسام میں بعض دیگر اقسام کی بہ نسبت نمی زیادہ ہوتی ہے' اپنے ہم جماعتوں اور (شاید) استاد کے بھی تمسخر کا نشانہ بن جانا چاہیے؟ اسی طرح آیا یہ بات زبان سے نکال کر کہ ہوا کے دباؤ کا جو تجربہ استاد نے جماعت کے سامنے دکھایا ہے اس سے بہتر قسم کا ایک تجربہ اور بھی ہے۔ایک ذہین بچے کو استاد کی ناراضگی مول لے لینی چاہیے؟ اور آیا ''زندگی اور موت'' کے موضوع پر کہی ہوئی اپنی نظم سنا کر اپنی تضحیک کرانی چاہیے یا اس نظم کو اپنے ہی تک محدود رکھنا چاہیے؟ اگر استاد ان خطرات سے باخبر ہو' جو ہر غیر معمولی ذہین بچہ اپنی خداداد ذہانت کا مظاہرہ کر کے اپنے سر لے لیتا ہے' تو پھر اس قسم کے بچوں کا انوکھا رویہ کوئی معمہ نہیں رہے گا۔

اساتذہ کے مسائل

ذہین بچوں کو نبھانے کے لیے استادوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' وہ بھی کچھ کم سنگین نہیں ہوتیں۔سب سے پہلی مشکل تو یہی درپیش آتی ہے کہ ایک ایسی جماعت کو سنبھالنا پڑتا ہے جس میں مختلف درجوں اور قسموں کی ذہانت کے بچے شامل ہوتے ہیں اور یہ بچے جیسے جیسے بڑھتے اور جماعتیں چڑھتے ہیں ان کا یہ اختلاف یا فرق وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔جس طرح کاروں کی دوڑ میں رفتاروں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف کاروں کے درمیان فاصلہ ہر مرحلے پر زیادہ ہوتا جاتا ہے۔اسی طرح ذہانت کی مختلف رفتاروں پر نشوونما پانے والے بچوں کے درمیان فرق بھی عمر کے ہر مرحلے پر

بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

چنانچہ وہی بچے جنہوں نے ساتھ ساتھ پڑھائی شروع کی ہوتی ہے، چوتھی یا پانچویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے ایک دوسرے سے ذہانت کے معاملے میں اتنے زیادہ بعید ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو جمع تفریق کے معمولی سوالات میں بھی گھبرا جاتے ہیں جبکہ انہیں کے بعض ہم جماعت الجبرے اور جیومیٹری کے مشکل سوالات بھی سمجھ لیتے ہیں۔ استاد ان سب بچوں کی ضروریات، جن میں ذہنی طور پر اتنا زیادہ فرق ہو، کس طرح پوری کر سکتا ہے؟

اس کی دوسری مشکل جماعت کے بچوں کے بارے میں اہم کوائف سے عدم واقفیت ہوتی ہے۔ بیشتر استاد تو اپنے شاگردوں سے متعلق ایسے مسائل سے، جیسے مجلسی ہر دلعزیزی، محرکاتی سرگرمی اور جذباتی الجھن، بالکل ہی نابلد ہوتے ہیں، کیونکہ ان مسائل سے متعلق معلومات تک ان کی دسترس ہی نہیں ہوتی۔

تیسری مشکل نصابی مہارت کی تشویش ناک قلت ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ہم ابتدائی جماعتوں کے مدرسوں کو بیک وقت حساب، سائنس، زبان، معاشرتی علوم اور دوسرے کئی مضامین میں طاق دیکھنا چاہتے ہیں، گویا 6 سے 14 سال کی عمر تک کے بچوں کے استادوں کو ہر فن مولا ہونا چاہیے تاکہ وہ ان نونہالوں کے متجسس دماغوں کو ہر معاملے میں مطمئن کر سکیں۔ لیکن درحقیقت ابتدائی جماعتوں کے اساتذہ اتنی ہمہ گیر علیت نہیں رکھتے۔ بہت سی صورتوں میں تو جماعت کے ذہین بچے ہی اپنی پسند کے مضامین میں ان استادوں سے زیادہ جانتے ہوتے ہیں۔

"تعلیم خیز" نصاب کیا ہوتا ہے؟

مسائل کے اس انبوہ سے عہدہ برآ ہونے کا ایک مجوزہ طریقہ یہ ہے کہ خداداد ذہانت رکھنے والے بچوں کی بہتری کے خیال سے نصاب کو "تعلیم خیز" بنایا جائے۔ اس

کا کیا مطلب؟ یہی کہ نصابی تعلیم کے ذریعے ذہین بچوں کی مخصوص قابلیتوں اور مہارتوں کو مزید ترقی دینے کی خاص کوشش کی جائے۔ تحقیق کی رو سے مذکورہ قابلیتیں مندرجہ ذیل پانچ اقسام کی ہوتی ہیں۔

1- نظریات کو باہم ربط دینے اور ان میں تعلق پیدا کرنے کی قابلیت۔

2- واقعات اور دلائل کو تنقیدی انداز سے پرکھنے کی قابلیت۔

3- جدت خیالات اور نئے زاویوں سے سوچنے کی قابلیت۔

4- پیچیدہ مسائل کو سلجھانے کی قابلیت۔

5- بدلے ہوئے حالات و ادوار اور اجنبی افراد کی بات سمجھنے کی قابلیت نیز اپنے ماحول تک محدود نہ رہنے بلکہ اس سے باہر نکل کر سوچ سکنے کی صلاحیت۔

ان باتوں سے کسی استاد کو یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے (اور نہ وہ نکالے گا) کہ خداداد ذہانت کے بچوں میں مذکورہ خصوصیات میں سے تمام کی تمام موجود ہوتی ہیں۔ یہ ان بچوں میں بھی پائی جاسکتی ہیں جو اوسط درجے کی ذہانت رکھتے ہوں یا ذہین ہی نہ ہوں۔ البتہ ان کی افراط صرف اس بچے میں ہوتی ہے جو ذہانت کے لحاظ سے برتر ہوتا ہے۔

جب تک یہ خصوصیات فروغ نہ پائیں نصاب تعلیم کو ''تعلیم خیز'' قرار نہیں دیا جاسکے گا اور اس سلسلے میں کی گئی منصوبہ بندی پر عملدرآمد کو محض ''اضافی مصروفیت'' کا نام دیا جائے گا۔ چنانچہ ایک ایسے غیر معمولی ذہین بچے کو تقسیم کے لمبے لمبے سوال دینا جسے تقسیم کا قاعدہ رواں ہو چکا ہو ''اضافی مصروفیت'' ہے۔ البتہ تقسیم کے لمبے سوالات حل کرنے کا کوئی نیا قاعدہ سکھایا جائے تو اس اقدام کو ''تعلیم خیز'' قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح حوالہ جات کی پرانی کتابوں میں سے فصلوں کی پیداوار کے متعلق اضافی معلومات تلاش کروانا ''اضافی مصروفیت'' ہے جبکہ فصلوں کی پیداوار اور سیاسی انتخابات میں ربط پیدا کرانا ''تعلیم خیزی'' ہے۔

''تعلیم خیزی'' کے لیے ماحول کی فراہمی

سوال یہ ہے کہ آیا ابتدائی جماعتوں کا استاد خداداد ذہانت رکھنے والے بچوں کے تعلیم خیز نصاب کے لیے مناسب ماحول بھی فراہم کرسکتا ہے؟

کئی ایسے اداروں میں جو سکول چلاتے ہیں' اساتذہ پر ذمہ داریوں کا زیادہ بوجھ دیکھ کر ان کے لیے اضافی امداد کی سفارش کی گئی ہے۔ مختلف سکولوں کے لیے اس امداد کا معیار اور مقدار مختلف ہو سکتی ہے لیکن مقصد مشترک ہے اور وہ یہ کہ بچے کو اس کے مناسب ماحول میں رکھ کر ''تعلیم خیز'' نصاب پڑھایا جائے۔

خداداد ذہانت رکھنے والے بچوں کے لیے خاص انتظام

ابتدائی جماعتوں میں ایسے بچوں کی بہتر تعلیم کے لیے ایک عدیم المثال ترکیب یہ کی گئی ہے کہ ایسے خاص سکول کھولے گئے ہیں جو اعلیٰ ترین ذہانت کے بچوں کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ ان سکولوں میں صرف ایسے بچے داخل کیے جاتے ہیں جو ذہنی امتحانوں اور تکمیلی امتحانوں دونوں میں بہت اچھے نمبر لے چکے ہوں' اور ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ایسے سکولوں میں یہ خاص آسانیاں ہوتی ہیں کہ جماعتوں کے اندر بچوں کی تعداد محدود ہوتی ہے' پورا ماحول ذہین بچوں کا ہوتا ہے اور قابل اساتذہ کے علاوہ بہت سے ماہرین خصوصی بھی ہر وقت موجود رہتے ہیں جن سے بچوں کے معاملات میں مشورے لیے جاتے ہیں۔

پھر ان میں نصاب کی تکمیل کی ذمہ داری بھی طلبہ ہی پر ڈالی جاتی ہے اور کمرۂ جماعت میں ورکشاپ کی سی بے تکلف فضا پائی جاتی ہے۔ فنونِ لطیفہ' موسیقی' فوٹوگرافی اور غیر ملکی زبانوں کی تعلیم کے خصوصی گروپ بنا دیے جاتے ہیں جن میں شمولیت کی بنیاد شرکاء کی خصوصی دلچسپی پر ہوتی ہے۔ ایسے سکول تحقیقی کام اور علمی مشاہدات کے لیے بھی عمدہ مواقع فراہم کرتے ہیں۔ لیکن ملک بھر میں ایسے سکولوں کا الشاذ و کال معدوم کے

برابر ہونا ہی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ دیگر طبقات اس قسم کے انظامات کے خلاف ہیں۔

خصوصی جماعتیں: کئی مقامات پر ذہین بچوں کے لیے خصوصی جماعتیں جاری کرنے کا تجربہ بھی کیا گیا ہے۔ ان کے لیے بچوں کا انتخاب بھی تقریباً اسی طریق پر کیا جاتا ہے جس کا ذکر خاص ترکیب پر عملدرآمد کے لیے کھولے گئے سکولوں کے بیان میں اوپر آ چکا ہے۔ بچوں کو ان کی ذہنی صلاحیت کے لحاظ سے پڑھائی کے الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے' مگر فنونِ لطیفہ' موسیقی اور جسمانی ورزش کی جماعتوں میں وہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ان خصوصی جماعتوں میں طوطے کی طرح رٹوانے کی بجائے آزاد ماحول' فلاحی منصوبہ بندی' تجزیہ حالات کی قابلیت اور مہارت استدلال پر زور دیا جاتا ہے۔ غیر ملکی زبانیں اکثر ابتدائی جماعتوں ہی سے شروع کرادی جاتی ہیں۔

ترمیم شدہ خصوصی جماعتیں: بعض سکولوں میں ذہین بچوں کے اس طرح کچھ دیر ایک علیحدہ گروہ کی شکل میں پڑھنے لکھنے کی افادیت کو محسوس کیا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کرلیا ہے لیکن اس ترمیم یا تبدل کے ساتھ کہ غیر معمولی ذہین بچے تھوڑا وقت اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ بھی ضرور گزاریں۔ ان ترمیم شدہ جماعتوں کے لیے بچوں کا انتخاب بھی مذکورہ بالا خاص سکولوں اور خاص جماعتوں کے داخلے کے طریق پر کیا جاتا ہے۔ غیر معمولی ذہین بچوں کے ان ورکشاپ گروپوں کی خصوصیات ہیں:۔ بے تکلفی کی فضا' ترقی پذیر فلاحی منصوبہ بندی' کھیتوں اور میدانوں کی سیریں' غیر ملکی زبانوں کی تدریس اور بچوں کو قیادت کے لیے تیار کرنا۔

گشتی استادوں کا منصوبہ: اس منصوبے کے ذریعے دو مختلف صورتوں یعنی:۔

(1) غیر معمولی ذہین طلبا کو خاص جماعتوں میں پڑھانا اور (2) انہیں عام جماعتوں کے ساتھ تعلیم دینا--- کے بین بین ایک راہ نکالی گئی ہے۔ گشتی استاد دراصل ایک ماہر

تعلیم ہوتا ہے جو اپنے علاقے کے مختلف سکولوں کا دورہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک مشیر کی سی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ استادوں کو مفید مشورے دیتا رہتا ہے۔ نیز ہر ہفتے چند گھنٹے غیر معمولی ذہین بچوں کے خاص گروہوں کے ساتھ بھی گزارتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس منصوبے کے ذریعے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ استاد کو ان مضامین میں امداد دی جائے جنہیں وہ پوری طرح نہیں پڑھا سکتا اور اسی کے ساتھ ایک ماہر کے ذریعے ذہین بچوں کی ترقی پذیر صلاحیتوں اور مخصوص مہارتوں کو مزید ترقی دی جائے۔

ہر چند اس قسم کے فلاحی منصوبے باعتبار جزئیات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں کیونکہ ہر منصوبہ مقامی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہوتا ہے لیکن ان کا اختلاف بنیادی مماثلت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

ذیل میں ان منصوبوں کی چند مشترکہ خصوصیات درج کی جاتی ہیں:

1- سکول کے اوقات میں کچھ دیر کے لیے ذہین بچوں کے گروپ بنانا۔

2- منصوبہ سازی کے سلسلے میں شاگردوں کو زیادہ ذمہ داریاں تفویض کرنا۔

3- تخلیقی و تفکری سرگرمیوں پر زور دینا' رٹائی اور عام طریقۂ کار کے لیے کم سے کم وقت رکھنا۔

4- کام سکھانے کے لیے چھوٹے چھوٹے گروہ بنانا۔

5- قاعدوں اور دستور کی پابندی کے معاملے میں نرمی برتنا۔ روز کے معمولات کم' اوقات کار کے درمیان کافی وقفہ۔

ذہین بچوں کا انفرادی مشاہدہ: اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ کوئی ایک غیر معمولی ذہین بچہ اس قسم کے دوسرے بچے سے بہت مختلف ہوتا ہے' بعض سکولوں نے غیر معمولی ذہین بچوں کے جدا جدا مشاہدے کا باقاعدہ سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ ایک وقت میں ایسے ایک ہی بچے کا نفسیاتی امتحان لیا جاتا ہے۔ پھر اس کی مخصوص دلچسپیوں رجحانات اور ضرورتوں کا اندازہ لگانے کے لیے کئی دوسرے امتحانوں اور انٹرویو کے بعد

جماعت کا استاد' پرنسپل' ایک ماہر نفسیات اور دوسرے متعلقہ افراد کی ایک کمیٹی مذکورہ امتحانات سے حاصل کردہ معلومات کو ایک منصوبے کی شکل دیتی ہے۔ اس پروگرام پر عملدرآمد کے لیے کوئی ماہر خصوصی بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بالعموم یہ کام سکول کے عملے ہی کو تفویض کیا جاتا ہے۔ ان غیر معمولی ذہین بچوں کے لیے جو اپنی مخصوص مشکلات اور الجھنوں سے دوچار ہوں یہ طریقہ مفید ترین معلوم ہوتا ہے۔

تعلیم میں عجلت؟ یا نہیں؟

سالہا سال سے سکولوں کے متعدد منتظمین اور طلبہ کے والدین عجلت تعلیم پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے آ رہے ہیں اور کم عمر لڑکوں کے کالجوں میں پہنچنے کے بعد اونچی جماعتوں والوں کے تمسخر کا نشانہ بننے پر بھی اکراہ محسوس کیا جاتا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں چھوٹی عمر کے بچوں کے جسمانی اور جذباتی پختگی اور مجلسی شعور حاصل کیے بغیر ہی انہیں آگے بڑھانے کی کوششوں کے برے اثرات اب تک باقی ہیں لیکن ان کی ناکامی کے باوجود غیر معمولی ذہین بچوں کے لیے محدود پیمانے پر عجلت تعلیم کی حکمت عملی مقبولیت حاصل کر رہی ہے اور تحقیقی نتائج بھی اس کی حمایت میں ہیں۔

ہر چند اس عجلت تعلیم کے بیشتر طریقے ثانوی یا ان سے اوپر کی جماعتوں میں اختیار کیے گئے ہیں' لیکن کچھ سکولوں نے اپنے ہاں کی ابتدائی جماعتوں میں بھی انہیں رائج کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی بچے کو اوسط قابلیت کے بچے سے کم عمر ہی میں سکول میں داخل کر دیا جائے۔ بہت سے اہل تحقیق کے نزدیک ابتدائی جماعتوں میں داخلے کے لیے عمر کا تعین ضروری نہیں۔ آج کل کے تعلیمی اداروں نے داخلے کی جو عمر مقرر کر رکھی ہے اس کے تعین میں تدریس کی جدید ترقیات یا اس امر کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے کہ چھ برس کی عمر کے مختلف بچوں میں بہت زیادہ ذہنی فرق ہوتا ہے۔

امریکہ کی (ایک دوسرے سے دور دراز واقع) ریاستوں' جیسے مساچوسٹس' پنسلوینیا اور نبراسکا میں بچوں کو چھوٹی عمروں میں سکولوں میں داخل کرانے کے تجربات سے اچھے نتائج برآمد ہوتے رہے ہیں۔ ان ریاستوں کے سکولوں میں مروجہ عمر سے کم عمر کے جو بچے سکولوں میں داخل کیے گئے وہ مجموعی حیثیت میں ان بچوں کے برابر یا ان سے بہتر رہے' جو مروجہ عمر میں داخل کیے گئے تھے' ریاست نبراسکا کے تجربے سے تو یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ چھوٹی عمروں میں داخلہ لینے والے بچے ابتدائی جماعتوں کے اختتام پر ''تکمیل تعلیم'' مجلسی ہر دلعزیزی اور ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کی صلاحیت کے معاملہ میں ان بچوں سے آگے رہے جنہوں نے مروجہ عمروں میں داخلے لیے تھے اور تندرستی' تنظیم' قیادت اور اپنے حالات پر قابو پانے کی صلاحیت میں کم از کم ان کے برابر رہے۔

یہ طریق کار اختیار کرنے میں جو بڑی بڑی رکاوٹیں حائل ہیں' ان میں سے ایک رکاوٹ وہ انتظامی مشکلات ہیں جو مروجہ عمر کی پابندی نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ کسی بچے کو اس عمر سے قبل سکول میں داخل کرانے کے لیے اس کی عمر کے پانچویں برس اور اس کے بعد بھی' بہت دفعہ اس کا ذہنی امتحان لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر سکولوں میں ماہرین نفسیات کی کمی ہے۔ چنانچہ یہ کام ان سکولوں کو ایک غیر ضروری بوجھ معلوم ہوتا ہے۔

بچے کا جماعتیں پھلانگنا بھی عجلت تعلیم کی کوششوں کا ایک حصہ ہے۔ ہر چند ہر بچہ اس قسم کی زقندیں نہیں لگاتا تاہم عوام عام طور سے عجلت تعلیم کا یہی مطلب سمجھتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچے میں اتنی قابلیت پیدا کر دی جائے کہ وہ ایک سال یا کسی مقررہ میعاد کے اندر اندر کئی کئی جماعتیں پڑھ جائے۔ لیکن اب عام طور پر یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ اس قسم کی عجلت تعلیم سے غیر معمولی قسم کے بچوں کے علاوہ اور کسی بچے کے حق میں اچھے نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ چنانچہ اسے چنداں پسند نہیں کیا جاتا۔ بچے کو اس قسم

کی تعلیمی زقند لگواتے وقت اس بات کا خاص طور سے لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ جس جماعت کو پھلانگے اس کی پڑھائی کے کسی حصے سے محروم نہ رہ جائے۔

عجلت تعلیم کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ ابتدائی جماعتوں کے بچوں کو حسب معمول جماعت وار ترقی دینے کی بجائے ان کے ایسے خاص گروہ بنا دیے جاتے ہیں جن میں صرف غیر معمولی ذہین بچے ہوتے ہیں تا کہ وہ ابتدائی جماعتوں کا سہ سالہ نصاب مقررہ عرصے سے پہلے ختم کر کے باقی وقت میں زیادہ اونچے معیار کی کتابیں پڑھ سکیں۔ اس طرح نصاب ان کے لیے تعلیم خیز ثابت ہوتا ہے۔ مگر عجلت تعلیم کا یہ طریقہ صرف ان بچوں کے لیے ہوتا ہے جو اعلیٰ درجے کی ذہنی قابلیت کے ساتھ ساتھ مجلسی ہم آہنگی اور جذباتی توازن کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ تحقیق کے معلومہ نتائج اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ابتدائی جماعتوں میں اعتدال پسندانہ تعجیل تعلیم سے غیر معمولی ذہین بچے کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا بلکہ اس کا ایک آدھ سال بچ ہی جاتا ہے۔

نصابی تبدیلیاں

اگر ہم نصاب کو "تعلیم خیز" بنانے کے خیال سے متفق ہوں تو گویا ہمارے نزدیک غیر معمولی ذہین بچوں کے لیے مروجہ نصاب ہی معمولی تبدیلیوں کے ساتھ موزوں و مناسب ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ موجودہ صورت میں اسے کسی طرح بھی ابتدائی یا ثانوی جماعتوں کے لیے موزوں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان جماعتوں کے لیے کئی ایک زیر تجربہ تعلیمی منصوبے ایسے ہیں جو مروجہ نصاب سے زیادہ افادی ثابت ہو رہے ہیں۔

درس و تدریس کے موجودہ طریقوں پر نکتہ چینی کرنے والے اہل رائے محسوس کرتے ہیں کہ مضمون کے بنیادی تصورات کا' بچے کے ماحول کی مانوس اشیاء' نیز ان کے عمل کے ساتھ ربط پیدا کرنے کے طریقے سے تعلیم دینا محض تضیع اوقات ہے۔ اس طریق تدریس میں دباؤ کی ماہیت سمجھانے کے لیے کسی ریفریجریٹر کو کام کرتا دکھایا جاتا

ہے اور آواز کی لہروں کے خواص کا سبق کسی تالاب کے پانی میں پیدا ہونے والی لہریں دکھا کر پڑھایا جاتا ہے۔

نکتہ چینوں کے خیال میں اس اندازِ تدریس سے طالب علم کا ارتباطِ فکر محدود رہتا ہے اور وہ ان غیر مادی تصورات کے فہم سے محروم رہ جاتا ہے جو سائنس کے مطالعے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

ایک متبادل طریقہ یہ ہے کہ طالب علم کو سائنس کے کسی شعبے کے بنیادی تصورات یا اصولوں سے پوری طرح آگاہ کرنے کے بعد اسے یہ موقع دیا جائے کہ ان کو عملی شکل دینے کے لیے اخذ کردہ علم کی روشنی میں اپنی عقل استعمال کرے۔ اس طریق کار سے کس طرح نصاب کی ماہیت بدل جاتی ہے' اس کی مثال کے طور پر صرف علم نجوم یا فلکیات کی ایک یونٹ کا تذکرہ کافی ہے۔ اول الذکر طریق تدریس میں فلکیات کا استاد اپنے شاگردوں کو نظامِ شمسی کا مشاہدہ کرانے کے لیے دور بین کے ذریعے ستارے اور ان کے برج وغیرہ دکھاتا ہے۔ لیکن اگر وہ زیر تذکرہ طریق تعلیم اختیار کرے تو پہلے مادے کی تخلیق پر درس دے گا' جو فلکیات کی فہم کے لیے بنیادی طور پر ضروری ہے۔ اسی طرح علم طبیعات میں آواز کی لہروں اور ان کی کارکردگی کا مشاہدہ کرانے کی بجائے ان لہروں کی حرکت کا بنیادی تصور طلبہ کے ذہن نشین کیا جائے گا تاکہ طالب علم آواز کی لہروں' روشنی کی لہروں اور ضروری کے مابین تعلق کی نوعیت کو سمجھ سکے اور اس کے ذہن میں مادے کا وسیع تر فہم پیدا ہو جس سے ہماری یہ کائنات بنی ہے۔

حساب کے متعلق چند ایک تدریسی تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ حساب کے مختلف قاعدوں پر الگ الگ عبور حاصل کروانے کی بجائے طالب علم کو حساب کے بنیادی تصوراتی ڈھانچے کی ماہیت سمجھانی چاہیے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے استقرائی طریق استعمال کیا جاتا ہے۔ اسباق اس طرح ترتیب دیے جاتے ہیں کہ طالب علم استاد یا کتابوں کی مدد کے بغیر خود ہی حساب کے بنیادی اصولوں کا علم حاصل کر لیتا

ہے۔ مروجہ طریق تدریس سے طالب علم کتابوں میں لکھے ہوئے قاعدے تو رٹ لیتا ہے لیکن نہ حساب کے بنیادی تصورات کو سمجھتا ہے نہ رٹے ہوئے قاعدوں کو کہیں منطبق کر سکتا ہے۔ استقرائی طریق تدریس اس غلط رجحان کی روک تھام کرتا ہے۔

اس قسم کے تجربات سے طالب علم میں اصول اور اس کی عملی صورتوں کے باہمی تعلق کے مشاہدے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور اسے رٹائی سے نجات مل جاتی ہے، جس سے ابتدائی جماعتوں کے ذہین طلبہ بہت انقباض محسوس کرتے ہیں۔

اب ہر چند ان طلبہ کو تو استقرائی طریق تدریس پسند آتا ہے، مگر بعض حلقوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ اس طریق سے کسی مضمون کے جو بنیادی تصورات طلبہ کے ذہن نشین کیے جاتے ہیں انہیں آیا اوسط ذہانت کے بچے بھی پوری طرح سمجھ لیتے ہوں گے؟ اس اعتراض کی وجہ سے اغلب ہے کہ یہ طریقہ صرف غیر معمولی ذہین بچوں کے گروہوں کو تعلیم دینے کے لیے استعمال کیا جائے گا اور انہیں تک محدود رہے گا۔

بنیادی تصوراتی طریق تعلیم میں استاد پر زیادہ بوجھ بھی پڑتا ہے کیونکہ کسی علم کا واضح بنیادی تصور شاگردوں کے دماغ میں جمانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ استاد کو مضمون پر پورا پورا عبور حاصل ہو تاکہ جب بچے چبھتے ہوئے سوالات کریں تو استاد ان کو مطمئن کر سکے۔ چنانچہ ان تجرباتی منصوبوں کی وجہ سے استادوں کی تربیت بھی ایک توجہ طلب ضرورت کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

ذہین بچوں کے لیے کیسے استاد ہونے چاہئیں؟

دو خوبیاں جو ایک مدرس کے نمایاں اوصاف بتائی جاتی ہیں، وہ ہیں: غلطیوں کا اعتراف کرنا اور وسیع تجرباتی پس منظر۔ اگر کوئی مدرس غیر معمولی ذہین بچوں کے کسی گروہ کے سامنے خود کو سرچشمۂ علوم ظاہر کرے گا تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ اسے زیادہ

عرصے تک نہیں چلنے دیں گے۔ ایسے بچوں کو پڑھانے والے استاد میں یہ کہہ سکنے کا وصف ہونا چاہیے کہ "یہ بات مجھے معلوم نہیں" اور اسی کے ساتھ اس میں موزوں حوالہ جات کی جانب رہنمائی کی قابلیت بھی پائی جانی چاہیے۔ تجرباتی پس منظر وسیع ہو تو پڑھائی میں رچاؤ آ جاتا ہے۔

اس شعبۂ تعلیم کے متعدد ماہرین یہ کہتے رہے ہیں کہ غیر معمولی ذہین بچوں کو پڑھانے والے استاد کا خود ذہین ہونا ضروری نہیں۔ لیکن انہوں نے کبھی ایسی مثالیں پیش نہیں کیں جن سے یہ پتہ چلتا کہ ایسے بچوں کو پڑھانے والے استادوں میں سے کتنے اوسط ذہانت رکھتے ہیں۔ عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہے کہ غیر معمولی ذہین بچوں کے استاد کو بھی اعلیٰ درجے کی ذہانت سے متصف ہونا چاہیے۔

ایسے بچوں کے استادوں کے بارے میں معلومات کے فقدان کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے اساتذہ بلحاظ تعداد بہت تھوڑے ہیں اور ایسے عملی تعلیمی منصوبے بھی چند ہی ہیں جو صرف غیر معمولی ذہین بچوں کی تدریس کی ٹریننگ کے لیے مرتب کیے گئے ہوں۔ ایسے استادوں کو ملازم رکھنے کے معاملے میں عام رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اساتذہ لیے جائیں جو ابتداءً ذہین بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری لے لیں۔ ایسے بچوں کے لیے زیادہ تعداد میں استاد ملازم رکھے جانے سے ان کی خصوصیات کے مشاہدے کا زیادہ موقع ملے گا۔

تعلیمی منصوبوں کی افادیت کی جانچ پرکھ

سوال یہ ہے کہ آیا غیر معمولی ذہین بچوں میں پڑھائی کا شوق پیدا کرنے کے معاملے میں ابتدائی جماعتوں کے خاص تعلیمی منصوبے عام منصوبوں سے زیادہ کارگر ہوتے ہیں یا نہیں؟ ایسے جو خاص منصوبے نظروں کے سامنے ہیں وہ یقیناً بہت دل کش معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ خیال ہوتا ہے کہ ان سے خوب ترقی تعلیم ہوگی۔ مگر کیا ایسا ہوتا

ہے؟

کیا خاص تعلیمی منصوبے مؤثر ثابت ہوتے ہیں؟

ہم اس بظاہر سیدھے سادے سوال کا جواب کس طرح دیں؟ کیا ایک سوال نامہ جاری کر کے ان بچوں سے' جو کسی خاص منصوبے کے تحت تعلیم حاصل کر چکے ہوں' یہ معلوم کریں کہ اس منصوبے کے بارے میں ان کا خیال کیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کچھ بھی معلوم نہ ہو سکے گا۔ سوالنامے کے جوابات تو اسی طرح وصول ہو جائیں گے جس طرح دیگر سوالناموں کے موصول ہو جایا کرتے ہیں لیکن یاد رہے کہ اس قسم کے جوابات مشکوک نظر سے معائنے کے مستحق ہوتے ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ ایک تو فارغ التحصیل طلبا کی ایک معقول تعداد ایسے سوالنامے کے جوابات ہی نہ دے گی جس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ خاص منصوبوں کے بارے میں ان کی رائے اچھی نہیں ہے کیونکہ یہ سمجھنا یقیناً مبنی بر معقولیت ہوگا کہ جن افراد کو کسی خاص تعلیمی منصوبے کا خوشگوار تجربہ نہیں ہوتا وہ قدرتی طور پر اس سے متعلق سوالنامے کا جواب دینے پر مائل نہیں ہوتے۔ پھر بیشتر ایسے لوگ بھی سوالناموں کے جواب میں اظہارِ رائے کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں' جو مخالفانہ رائے رکھتے ہیں۔

کسی خاص تعلیمی منصوبے کے مؤثر ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں متعلقہ استاد کی رائے بھی بلا تامل تسلیم نہیں کر لینی چاہیے بلکہ اس کے حسن و قبح پر غور کرتے وقت یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اس میں مذکورہ مدرس کے ذاتی رجحان یا ذہنی تعصب کا شائبہ ضرور ہوگا۔

کسی خاص تعلیمی منصوبے کی افادیت کی جانچ پرکھ کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ اس کے تحت تعلیم پائے ہوئے کسی غیر معمولی ذہین بچے کا اس کے ہم جماعت یا ہم عمر بچوں سے تقابل کیا جائے۔ لیکن اس میں بھی خاص منصوبے کا پلڑا جھک جائے گا' کیونکہ غیر

معمولی ذہین بچے پڑھائی شروع کرتے وقت ہی اپنے ہم عمر ساتھیوں سے اتنے زیادہ آگے ہوتے ہیں کہ کسی خاص منصوبے کے تحت تعلیم حاصل کرنے کی حالت میں بھی بحیثیت گروہ' تقابل کا نتیجہ انہی کے حق میں نکلے گا۔

اگر کسی بھی سکول کے ایسے غیر معمولی ذہین بچوں کا تقابل' جو اپنے ماحول سے ہم آہنگ اور ہر دلعزیز ہوں' عام بچوں کے کسی گروہ سے کیا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ اول الذکر بچے سکول کا کام اچھا کرنے کے علاوہ بھی ہر لحاظ سے برتر ہیں بلکہ یہ بچے علم سے محروم رکھنے کی کسی بالا رادہ کوشش سے بھی اوسط ذہن کے طلبہ کے پست درجے تک نہیں گرائے جا سکتے۔

اس سلسلے میں عام طور پر ایک اور ترکیب یہ بھی کی جاتی ہے کہ کسی خاص تعلیمی منصوبے سے مستفید بچوں کا تقابل ایسے بچوں سے کیا جاتا ہے جو انہیں جتنے ذہین تو ہوں مگر کسی خاص تعلیمی منصوبے کے تحت تعلیم حاصل نہ کر رہے ہوں۔ اس کے نتائج بھی خاص منصوبے والے بچوں کے حق میں نکلتے ہیں۔ قدرتی بات ہے کہ اگر ان بچوں نے کوئی اضافی مضمون (جیسے غیر ملکی زبان) بھی پڑھا ہو تو ان کا مبلغ علم ان ذہین بچوں سے زیادہ ہوگا' جنہوں نے ایسی پڑھائی نہ پڑھی ہو' خواہ باقاعدہ پڑھائے جانے والے مضمونوں کے تکمیلی امتحانوں کے نمبروں میں دونوں گروہ برابر ہی ہوں۔

ان مشاہدات سے ایک اہم بات یہ بھی منکشف ہوئی ہے کہ خاص منصوبوں کے تحت تعلیم حاصل کرنے والے بچوں میں احساس برتری اور غرور قابلیت پیدا نہیں ہوتا بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ غیر معمولی ذہین بچے جب یہ سوچتے ہیں کہ ان جیسے یا ان سے زیادہ ذہین بچے اور بھی ہیں تو ان کی طبیعتوں میں انکسار پیدا ہو جاتا ہے۔

غیر معمولی ذہین بچوں کے گروہوں کے تقابل کا طریقہ اگرچہ ترقی کی جانب ایک قدم آگے ہے' لیکن اس سلسلے میں کیے جانے والے ہر مشاہدے کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ خاص منصوبے والے غیر معمولی ذہین بچوں کے کام شروع کرنے سے

پہلے دونوں گروہوں کے ہر لحاظ سے مساوی سطح پر ہونے کا یقین کرلیا جائے' گو یہ ضرور ہے کہ اس کا بندوبست کرنا آسان نہیں۔

کسی ایسے موقعے پر' جب کسی سکول میں کسی خاص تعلیمی منصوبے پر عملدر آمد شروع کیا جا رہا ہو' اگر متعلقہ استاد اپنے دل میں یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کرے کہ اس کے شاگردوں میں سے کن کن کو منصوبے کے تحت تعلیم کے لیے چنا جاسکتا ہے تو اسے معلوم ہو جائے کہ تحقیقی کام کرنے والوں کو اس معاملے میں کیسی کیسی دشواریاں پیش آتی ہوں گی۔ ایسے لوگ جو اثر و رسوخ کے علاوہ دوڑ بھاگ کا دم بھی رکھتے ہوں گے وہ اپنے اہل بچوں کو منصوبے میں شامل کروانے کی سرتوڑ کوشش کریں گے۔ ادھر اساتذہ سب سے پہلے یقیناً ایسے شاگردوں کی سفارش کریں گے جو ہونہار ہوں یا جنھوں نے تکمیلی امتحانوں میں بہت اچھے نمبر لیے ہوں۔ غرض ایسے طلبہ کو تو کوئی رہنے ہی نہ دے گا جنہیں تحقیق کرنے والا ''کنٹرول گروپ'' کی حیثیت دے کر ان کے ساتھ تقابل سے خاص طلبہ کی کارکردگی کا اندازہ لگا سکے۔ ادھر سے مایوس ہو کر تحقیق کرنے والا اہل رائے جماعت میں دیگر ذہین طلبہ کا متلاشی ہو گا لیکن اس قسم کے بچے محرکات اور تکمیلی نمبروں کی تعداد کے معاملے میں خاص گروپ کے بچوں کی برابری نہ کرسکیں گے کیونکہ ہوشیار اور ذہین بچوں میں سے چوٹی کے طلبہ تو پہلے ہی خاص گروپ میں شامل کیے جاچکے ہوں گے۔

تعجیل تعلیم کے منصوبوں کی افادیت کا اندازہ لگانے کے دوسرے بہت سے تحقیقی مشاہدوں پر بھی یہی اعتراض منطبق کیا جاسکتا ہے۔ اکثر و بیشتر سکول اپنی جماعتوں کے ذہین طلبا میں سے انہیں کو جلدی جماعتیں چڑھاتے ہیں جو چوٹی کے طلبا ہوں اور ہر لحاظ سے قابل ترین قرار دیے جاسکتے ہوں۔ جب ان کا تقابل ایسے ذہین طلبا کے ساتھ کیا جاتا ہے جنہیں اس طرح کی عجلت تعلیم کا فائدہ نہ پہنچایا گیا ہو تو اکثر اول الذکر ہی کا پلڑا بھاری رہتا ہے۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان دونوں اقسام کے طلباء میں سے ''عجلت

تعلیم'' سے مستفید طلبا کا پلڑا جھکنے کی اصلی وجہ تعجیل تعلیم نہ ہو بلکہ اس کا گہرا سبب وہ بنیادی فرق ہو جو ان کے درمیان ہو سکتا ہے۔

آخر میں استاد کو یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ کسی خاص تعلیمی منصوبے کی افادیت کے اندازے کے لیے جو وسائل درکار ہوتے ہیں' ان میں سے بہت سے وسائل تحقیق کرنے والے اہل رائے کو میسر نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر تکمیل تعلیم کا اندازہ لگانے کے معاملے ہی کو لے لیجیے جس کا مقصد یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ غیر معمولی ذہین بچوں میں ''تکمیل تعلیم'' کے مرحلے سے گزر جانے کے بعد کتنی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص منصوبوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ان سے بچے کی تخلیقی صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں' ان کے اندازِ فکر میں جدت پیدا ہوتی ہے اور وہ سابقہ معلومات کی روشنی میں موجودہ اور آئندہ حالات سے نپٹنے کی صالحیت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ نیز اس کی عقل اتنی پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ اس کی مدد سے اپنی الجھنیں سلجھانے لگتا ہے۔ لیکن اس قسم کے خاص منصوبوں پر عملدرآمد سے قبل اور اس کے بعد جو تکمیلی امتحانات لیے گئے' ان کا نتیجہ کیا نکلا؟ یا ''2'' کے عدد پر مبنی نظامِ اعداد استعمال کر سکنے کی صلاحیت سے حساب کا پرچہ معمول سے زیادہ اچھا ہو گیا؟ یا دوستی پر نظم کہنے کی شاعرانہ صلاحیت سے لسانیات کے پرچے میں زیادہ نمبر مل گئے؟ اس قسم کی قدرتی صلاحیتیں جن کی ماہیت انسانی فہم میں نہیں آتی ' ان کی ناپ تول (یا اندازے) کی غرض سے چند ایک امتحانی طریقے تو وضع کر لیے گئے ہیں۔ لیکن اس قسم کی تمام کوششوں کے باوجود کسی خاص گروہ کا کوئی غیر معمولی ذہین بچہ ایسی حالت میں بھی بہت سی اہم اور معنی خیز ترقیاں کر جائے گا کہ اس کے بہت سے تکمیلی امتحانوں کے نمبروں میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ کیا معمہ ہے؟ اس عقدے کو ابھی تک کسی تکمیلی امتحان سے حل نہیں کیا جا سکا۔

مدرسین اپنی کارکردگی کی جانچ کس طرح کر سکتے ہیں!

سوال یہ ہے کہ اگر ایک تربیت یافتہ اہل تحقیق کے لیے خدا داد ذہانت رکھنے والے بچوں کی قابلیت کا اندازہ کرنا اتنا کٹھن کام ہے تو کیا کوئی استاد ایسے بچوں سے متعلق اپنی کارکردگی کا اندازہ کرسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایسا کرسکتا ہے' گو صرف ایک حد تک۔ کس طرح؟ یہ معلوم کرنے کے لیے ذیل کے نکات پر غور کیجئے:

1- جماعتی استادوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ذہین یا خداداد ذہانت کے بچوں کی قابلیت کی کسوٹی وہ امتیازی درجہ نہیں ہوا کرتا جو انہیں اپنے گروپ میں حاصل ہو بلکہ ان کی قابلیت کو جانچنے کا معیار ان کی اپنی امکانی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسا ذہین بچہ اپنے گروہ میں تسلیم بخش رفتار سے ترقی کر رہا ہو لیکن اس کے باوجود اپنی امکانی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لا رہا ہو۔

2- استاد کو چاہیے کہ جب بچے تخلیقی اندازِ فکر اختیار کریں اور اپنی کارگزاریوں میں جدت طرازی دکھائیں تو وہ ان کی دست گیری کرتے ہوئے صحیح سمت میں ان کی رہنمائی کرے۔ تعلیمی سال کے دوران بچوں کے مضامین نظم و نثر' فنونِ لطیفہ کے اختراعی کارناموں اور دیگر صناعیوں کے جائزے سے استاد اپنے اثرات کے کارگر ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

3- یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا کوئی بچہ تحصیل علم کا شائق ہے اور آیا وہ اپنے اس شوق کی تکمیل کے ذرائع سے واقف بھی ہے' استاد بچے کی سرگرمیوں کا ایک ایسا ریکارڈ رکھ سکتا ہے جس میں بچے کے ان منصوبوں اور رپورٹوں کی تفصیل درج ہو جو اس نے استاد کی فرمائش کے بغیر از خود تیار کی ہوں۔ نیز استاد کو یہ بات بھی معلوم کرنی چاہیے کہ بچے نے ان رپورٹوں میں جو حوالے دیے ہیں' ان سے اس بارے میں کیا ظاہر ہوتا ہے کہ آیا سالِ رواں کے دوران اس کی حوالے دینے کی قابلیت میں اضافہ ہوا ہے یا نہیں؟ غرض استاد اپنا احتساب کرنے اور ذہین بچوں کے ذہنوں پر

اپنے اثرات کا اندازہ لگانے کے لیے ایسی بہت سی ترکیبیں سوچ سکتا ہے۔

صرف ایک انتباہ اور:۔ استاد کو چاہیے کہ کسی بچے پر اپنے اثرات کا اندازہ لگانے کے لیے اس کی کارگزاری اور صناعی کے کچھ نمونے بھی اپنے پاس رکھے۔ انسانی ذہن بھول جانے کا خوگر ہے، صرف وہی یاد رکھتا ہے جس کے شواہد نظروں کے سامنے موجود ہوں۔

ذہنی طور پر پسماندہ
مگر
قابل تعلیم بچے

عرض حال

اس کتابچے کے مصنف مسٹر ہربرٹ گولڈ سٹائن الی نائے یونیورسٹی کے کالج آف ایجوکیشن میں غیر معمولی بچوں سے متعلق ادارۂ تحقیق میں تعلیم کے امدادی پروفیسر ہیں۔ انہوں نے اس کتابچے میں تحقیقی مواد سے استفادہ کیا ہے، جس میں سکول کے مدرسین کے لیے بہت زیادہ مفید ہونے کے امکانات ہیں۔ مسٹر گولڈ سٹائن کہتے ہیں کہ جو کتابچہ ذہنی بچے کے بارے میں شائع ہوا تھا (کتابچہ نمبر 17 مصنفہ ڈاکٹر جیمس جے۔ کالاغر) اس میں کہا گیا تھا کہ عام جماعتوں میں بعض معیاری اصولوں پر عمل دشوار ہو جاتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے انحراف زیادہ نمایاں صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ڈاکٹر کالاغر کے بحث کردہ اصول اور طریق ہائے کار پر انتہائی امکانی حد تک توجہ جمائے رکھنے کی کوشش کی۔ لہٰذا یہ کتابچے اس تسلسل ذکاوت کی ابتدا و انتہا کے مظہر ہیں جو باقاعدہ ابتدائی مدارس کی جماعتوں میں پائی جاتی ہیں۔

ابتدائی مسودے پر کنٹیکٹ یونیورسٹی کے مسٹر جے۔ ریمنڈ گبرک اور ضلع کولمبیا کے پبلک سکولوں کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ رچرڈ۔ آر۔ فوسٹر نے نظرثانی کی تھی۔ اگرچہ نظرثانی کرنے والے حضرات اور نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے عملے کی تجاویز کے مطابق اس میں تبدیلیاں کر دی گئی ہیں، تاہم یہ کتابچہ مصنف کی توضیحات و سفارشات کا حامل ہے۔

ذہنی طور پر پسماندہ مگر قابل تعلیم بچہ ابتدائی مدارس میں

اگرچہ مدرسہ جانے کے قابل ذہنی طور پر پسماندہ قابل تعلیم بچوں کے لیے خاص جماعتوں کے انتظامات میں نمایاں اضافہ ہوگیا ہے۔ مگر ایسے بچوں کی اکثریت عام مدارس ہی میں زیر تعلیم ہے۔ ماہرین تعلیم کے اندازے کے مطابق ان خصوصی طریقہ ہائے تعلیم سے پسماندہ بچوں کی صرف ایک چوتھائی تعداد فائدہ اٹھا رہی ہے۔ یہ اندازہ پورے ملک کی عام مجموعی حالت پر مبنی ہے۔ مختلف ریاستوں کے اعداد و شمار میں باہم اختلاف ہیں یعنی ممکن ہے کسی ریاست میں یہ اوسط ایک تہائی اور کسی میں صرف دو فیصد ہو۔

پسماندہ بچوں کی تربیت کے بارے میں بڑھتا ہوا رجحان توقع دلاتا ہے کہ ان بچوں کی آئندہ نسلوں کے سلسلے میں اس تعلیم کے زیادہ مواقع فراہم ہو جائیں گے۔ جن کی ان بچوں کو ضرورت ہے۔ ملک کی جن آبادیوں' خطوں اور ریاستوں میں اب تک ایسے بچوں کے لیے مخصوص تعلیم کا انتظام نہیں ہوسکا' وہاں عملے' عمارتوں اور سرمائے کی بہم رسانی کے ساتھ ساتھ تیزی سے نئے پروگراموں پر عمل ہو رہا ہے۔

لیکن فی الحال جب تک کہ خاص تربیت یافتہ مدرسین اور عمارتوں کی قلت ہے ہم ایسے ذرائع معلوم کرنے پر مجبور ہیں جن سے کام لے کر ہم اکثر ذہنا پسماندہ مگر سکول جانے کے قابل بچوں کے لیے موجودہ ابتدائی مدارس ہی میں جگہ کا انتظام کریں۔ اس انتظام سے مقصود محض یہ نہیں کہ بچے بیٹھ سکیں اور تعلیم پا سکیں بلکہ اس سے زیادہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے لیے نہایت اعلیٰ اور حد درجہ موثر تعلیمی پروگرام درکار ہے تاکہ بلوغ کے

بعد ان کے لیے معاشرے میں جذب ہونے اور اس کا حصہ بن جانے کا اچھا موقع مہیا ہو جائے۔

قابل تعلیم مگر ذہناً پسماندہ بچے کی تعریف

قابل تعلیم مگر ذہناً پسماندہ بچہ وہ ہوتا ہے جو عام تعلیمی مدارج میں ہم جماعتوں سے پیچھے رہ جاتا ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر پیچھے رہ جانے والے بچے کو ذہنی طور پر لازماً پسماندہ سمجھ لیا جائے۔ یہ فرق پیش نظر رکھنا بے حد اہم ہے کیونکہ جماعت میں پیچھے رہ جانا یا کسی بات کا دیر میں سمجھنا بچے کے غبی ہونے کی قطعی دلیل نہیں۔ یہ تو زیادہ گہرے اور عموماً زیادہ پُر پیچ سلسلۂ شرائط میں سے صرف ایک علامت ہے۔ بعض اوقات کند ذہنی یعنی پسماندگی جذباتی مسائل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بعض حالتوں میں اس کا باعث کسی کی کمزوری، تربیت و ثقافت سے محرومی اور آموزش کی ہوسکتا ہے۔ پسماندہ بچے میں معیار سے کم کامیابی قطعی طور پر اس کے ذہنی معیار کی کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذہناً پسماندہ بچوں پر متذکرہ صدر حالات اثر انداز ہی نہیں ہوتے بلکہ ان حالات سے وہ بھی اسی قدر اثر پذیر ہوتے ہیں جس قدر ان کے ذہناً درست یا زیادہ ذہنی ساتھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حالات پسماندہ بچوں کے پست معیارِ قابلیت کو پست تر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ان اسباب کے تدارک سے جو ذہنی کمزوری کے محرک ہیں ذہناً پسماندہ بچوں کا معیار کامیابی اسی طرح بلند ہوسکتا ہے جس طرح ان ذہناً درست یا زیادہ ذہین ساتھیوں کا۔

یہ نتیجہ ایک عجیب انداز میں واضح ہوا۔ جب بعض ایسے بچے زیر مشاہدہ آئے جو ابھی سکول جانے کی عمر کو نہ پہنچے تھے۔ وہ یا تو واقعی ذہنی کمزوری کا شکار تھے یا مضر رساں ماحول میں پرورش پا رہے تھے۔ اس مشاہدے کا اصل مقصود یہ تھا کہ آیا یہ ممکن ہے یا نہیں کہ سکول جانے سے قبل کی عمر والے بچوں کے متعلق تجربات پر عمل کر کے خراب ماحول کے منفی اثرات کو زائل کیا جا سکے؟ مشاہدے کے آخر میں یہ حوصلہ افزا نتیجہ برآمد

ہوا کہ اس عمل سے بچوں کی نمایاں تعداد نے خاطر خواہ ترقی کی' یعنی نچلے درجے کے بچوں کی صلاحیت میں بتدریج اضافہ ہوا۔ اور جو بچے پسماندگی کی سرحد پر خیال کئے جاتے تھے نہ صرف وقتی طور پر ان کی حالت بہتر ہوگئی بلکہ مستقل طور پر ان کا ذہنی معیار بھی درست ہوگیا۔ اس مشاہدے کے اہم ترین عناصر میں سے ایک عنصر بچوں کی عمر کے متعلق تھا۔ یہ بچے کم عمری میں زیر مشاہدہ لائے گئے تھے اور پوری تندہی سے ان کا علاج کیا گیا تھا۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے سکول جانے کے قابل پسماندہ بچوں کی تربیت میں یہ بطور خاص سامنے رکھنا چاہیے۔

پسماندہ بچوں کی نمایاں خصوصیت ان کی دماغی کمزوری ہے۔ یہ کمزوری اطاق درس میں خاص طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ پھر ایسے بچوں کی ترقی میں یکسانی نہیں پائی جاتی۔ دماغی کمزوری کے ضروری عناصر (بحث و تمحیص کی محدود قابلیت' قیاسی مسائل کا قبول کر لینا' ناگزیر حقائق کا احساس اور اس کے مطابق ان کا اثر) ذہنی پسماندگی کی اہمیت کا اندازہ کرنے میں مدد دیتے ہیں اور مسائل کے سمجھنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت مہیا کرتے ہیں۔ وہ بچہ جو کند ذہنی سے قریب ہو ابتدائی جماعتوں میں پسماندہ بچوں کی نسبت ذہین بچوں سے زیادہ مشابہ ہوگا۔ ممکن ہے ایسا بچہ بظاہر پیچھے رہ جانے والا نہ معلوم ہو جب تک وہ مدرسے کے تیسرے درجے میں نہ پہنچ جائے۔ اس بچے کا کم صلاحیت رکھنے والا ہم جماعت ممکن ہے تجربے کی رو سے پہلی جماعت کے آخر تک ہی نظروں میں آجائے اور دوسری جماعت میں اس کے صحیح مقام کا یقین ہو سکے۔ لیکن ہم ایک بار پھر دہرانا چاہتے ہیں کہ اگر استاد درس میں پیچھے رہ جانے والے بچے کو کند ذہن بچوں میں شمار کرے گا تو اس کا اندازہ غلط ہوگا۔ البتہ وہ ان اقدامات میں حق بجانب ہوگا جن کے ذریعے پسماندہ بچوں کو دوسرے بچوں سے جدا کیا جاسکے تاکہ ان کی اصلاح کے لیے مؤثر اور صحیح طریق کار اختیار کیا جاسکے۔

پسماندگی کا آغاز

قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ قابل تعلیم پسماندہ بچوں کی شناخت کا بہترین موقع ابتدائی درجات میں ان کا معیار ترقی اور طریق کار ہے۔ اس کے علاوہ بچے کی صحیح ذہنی صلاحیت کا تعین ماہرین نفسیات کا کام ہے۔ ماہر نفسیات صحیح اقدامات و مشاہدات سے پسماندہ بچے کو ان بچوں سے علیحدہ کرنے کے بہتر مواقع رکھتا ہے جو ذہنی کمزوری کے علاوہ دیگر وجوہ کی بنا پر پسماندہ معلوم ہوتے ہیں۔

بچے کی ذہنی صلاحیت کا تجربہ اول تو اس کی پسماندگی کو درجۂ یقین تک ثابت کرنے میں مدد دیتا ہے۔ دوسرے اس کے درجۂ پسماندگی کا یقین کرنے کے لیے مواد مہیا کرتا ہے۔ یہ بات اول الذکر امر سے اہم تر ہے۔ علاوہ ازیں جہاں خصوصی درجہ ہائے تعلیم مہیا ہوں وہاں اس درجۂ پسماندگی کا تعین استاد کے لیے بہت اہم ہے۔ نفسیاتی معیار کے نتائج مدرس کو ان امور سے آگاہ کرتے ہیں جن سے آگاہ ہو کر وہ تعلیمی تدابیر اور اطاق درس میں تنظیم کار مقرر کرتا ہے اس کے برعکس جہاں خصوصی جماعتیں ہوں یا جہاں ایسی جماعتیں ضرورت سے زیادہ گنجان ہوں وہاں اغلب ہے پسماندہ بچے کو عام جماعت میں رہنا ہوگا۔ اس صورت میں اس کے درجۂ پسماندگی کا تعین پسماندگی کا لیبل لگا دینے کی نسبت زیادہ ضروری ہوگا اور اس کے طریق کار سے استاد اس سے تعلیمی پروگرام کو ترتیب دینے میں مدد حاصل کرے گا۔

انتظامی اور قانونی وجہ کی بنا پر بہت سے درسی اداروں نے ذہنی جانچ کے لیے معیار ذہانت (IQ) کے حدود قائم کیے ہیں جن بچوں کے لیے اس معیار ذہانت (IQ) کے اعداد 30 اور 50 کے درمیان ہوں وہ عموماً قابل تربیت مگر ذہنی طور پر پسماندہ بچے سمجھے جاتے ہیں۔ جن بچوں کے یہ اعداد 50 اور 70 کے درمیان ہوں انہیں قابل تعلیم مگر ذہنی پسماندگی میں مبتلا یا قابل ترقی ذہنی کمزوری میں مبتلا سمجھا جاتا ہے۔ 75 اور 90 کے درمیان

اعداد رکھنے والے بچے سست تربیت پانے والے شمار کئے جاتے ہیں۔

عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ معیار ذہانت (IQ) کے یہ حدود محض نفسیاتی تجزیہ کے ذریعے حاصل کردہ اعداد سے تجاوز کرتے ہیں۔ اس طرح اختیار کردہ اعداد وشمار ان تمام خصوصیات کے مظہر میں جو مکمل نفسیاتی امتحان سے آشکار ہوتی ہے لیکن اس امر میں ایک مستقل خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں ان اعداد کو کسی طلسمی خصوصیت کا حامل نہ سمجھ لیا جائے اور اس طرح یہ اعداد بچوں کے معیار ذہانت اور طریق کار کا فیصلہ کرنے میں ایک مستقل معیار کی حیثیت اختیار نہ کرلیں۔ مثلاً ممکن ہے بعض ادارے (IQ) 75 عدد والے بچے کو درجۂ خصوصی میں قبول کرلیں لیکن 76 یا 77 عدد والے بچے کو مسترد کر دیں۔ جہاں کہیں یہ بات دیکھنے میں آئے گی وہاں یہی سمجھنا ہوگا کہ اس ٹھکراؤ کی وجہ انتظامی مجبوریاں ہیں جو طلب کی کثرت کے باعث پیدا ہوئی ہیں اور انہیں حالات کی بنا پر انتظامیہ اس درجہ من مانا امتیاز قائم کرنے پر مجبور ہے۔ جہاں حقیقتاً کسی امتیاز کی گنجائش نہیں۔ ارکان انتظامیہ خود سب سے پہلے تسلیم کریں گے کہ حقیقت حال یہی ہے۔

اس سلسلے میں جس چیز سے بچنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ غیر ضروری طور پر ایسے امتیازی تخیل کو روا نہ رکھا جائے۔ مثال کے طور پر باقاعدہ اطاق درس میں مدرس کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بچے کے پیچھے رہ جانے کا سبب کیا ہے اور اس کے طریق کار میں کون سی خامی ہے۔ درجۂ پسماندگی کا اندازہ اور بھی زیادہ ضروری ہے تا کہ واقعیت پر مبنی توقعات قائم کی جاسکیں اور ان کے پیش نظر موزوں پروگرام ترتیب دیا جائے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ بچوں کے درمیان امتیاز قائم کرنے کے لیے مدرس سختی سے معیار ذہانت (IQ) کے اعداد وشمار کی بناء پر کارفرما ہو۔ اس کے برعکس مدرس کے لیے یہ جاننا لازم ہے کہ کون سا بچہ سمجھ بوجھ کے اعتبار سے کس حد تک کمزور ہے اور تعلیمی و معاشی مسائل کو سمجھنے میں کیا طریق کار اختیار کرتا ہے۔ ہمارا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ

مدرس کے لیے اپنے شاگردوں کے معیار ذہانت (IQ) کے اعداد کا جاننا ضرر رساں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کسی استاد کو اپنے شاگردوں کے بارے میں جس قدر زیادہ معلومات ہوں گی اسی قدر اس کے فیصلے دانش مندانہ اور مؤثر ہوں گے۔ یہ اعداد صرف ایک حد تک استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ان سے رفتار آموزش کے متعلق توقعات قائم کی جاسکتی ہیں۔ یہ اعداد بچے کی ذہنی عمر کا اندازہ کرنے میں استاد کو مدد دیتے ہیں۔ یوں پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ خاص تعلیمی سرگرمیوں کے لیے کس حد تک تیار ہے۔ نیز اس کی روش کی توضیح ہوتی ہے۔

جدول نمبر 1 میں اندازہ پیش کیا گیا ہے کہ اگر کسی آبادی کے سکول جانے کے تمام بچوں کا جائزہ سٹینفورڈ بینے (Stanford Binet) کے مجوزہ طریق امتحان ذہانت کی بناء پر لیا جائے تو کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اس جدول سے معلوم ہوسکتا ہے کہ معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مختلف الحیثیت گروہوں میں ذہانت کی مختلف سطحیں پیش نظر رکھتے ہوئے بچوں کا تناسب کیا ہوگا۔ پبلک سکولوں کے ذہنی پسماندہ بچوں کی چھان بین سے ہم یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ایسے بچوں کی خاصی تعداد کا تعلق آبادی کے اس حصے سے ہوگا جو بہ اعتبار معاش و معاشرت عام سطح سے نیچے ہوگا۔

جدول نمبر 1: مختلف ذہنی سطحوں پر طلبہ کی تعداد کے تخمینی تناسبات

سکول کے طلبہ کی تعداد کا فیصد۔

Stanford-Binet	متوسط تا اعلیٰ معاشی و معاشرتی آبادی	عام سطح سے نیچے کی معاشی و معاشرتی آبادی	پیشہ ورانہ توقعات
معیار ذہانت (IQ) 85 سے کم	16 تا 20	25 تا 40	نصف تربیت یافتہ یا غیر
" " " 80 " " "	10 تا 12	15 تا 20	تربیت یافتہ کیلئے ملازمتیں یا
" " " 75 " " "	3 تا 4	6 تا 7	مزدوری غیر تربیت یافتہ
" " " 50 " " "	1 تا 2	1 تا 2	کام محفوظ کارگاہیں یا زیر نگرانی ماحول

واضح رہے کہ جدول نمبر 1 کے اعداد و شمار محض تخمینی ہیں اور بعض اوقات یہ اعداد مختلف جماعتوں یا مقامات کے تعلق میں نمایاں طور پر مختلف ہو سکتے ہیں۔ حال ہی میں تین مختلف علاقوں' دو دیہاتی اور ایک شہری -- کے درجہ اول -- ذہانت ساٹھ اور پچاسی کے درمیان کا جائزہ لیا گیا۔ پتا چلا کہ جائزے سے پیشتر ان حدود ذہانت میں درجۂ اول کا تناسب پندرہ فیصد کے قریب تھا۔ لیکن جب سٹینفورڈ بینے کے طریق پر جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ دونوں دیہاتی علاقوں میں تناسب بالترتیب پانچ اور سات فیصد اور شہری علاقے میں دس فیصد تھا۔ ان نتائج اور جدول نمبر 1 کے اعداد و شمار میں فرق کا باعث ان علاقوں کی یگانہ نوعیت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دیہاتی علاقوں میں زرعی رقبوں کی بہتات تھی اور ایسے خاندان چند ہی تھے جو معاشی و معاشرتی

اعتبار سے فروتر درجہ رکھتے تھے۔ شہری علاقے میں بھی یہی صورت کارفرما تھی۔ لیکن ایسے علاقوں کے اعداد و شمار جن کا موقع اور محل اتنا بہتر نہ ہوگا' غالباً جدول نمبر 1 میں پیش کردہ تخمینوں سے ملتے جلتے ہوں گے اور بہت زیادہ پسماندہ حلقوں اور مقامات کے اعداد غالباً اس سے بھی بڑھ جائیں۔

70 اپنی عددی قیمت کا مظہر نہیں

ممکن ہے یہ عنوان ایک حسابی معمہ معلوم ہو لیکن دراصل یہ ان ذہنی امتحانات کے نتائج پر مبنی ہے جن میں معیار ذہانت کے متعلق صرف اعداد کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ یکساں معیار رکھنے والے بچوں کی ترقی میں اختلاف یا تو معیار ذہانت جانچنے کے طریق کار میں فرق کی وجہ سے ہوتا ہے یا ذہنی معیار کے امتحانوں میں اختلاف کی وجہ سے۔ بہت سے امتحان ذہانت کے تصورات میں فرق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔ سٹینفورڈ بینے کا طریق جو غالباً انفرادی ذہانت کا ایسا پیمانہ ہے جسے اکثر سکول جانے والے بچوں کی ذہانت جانچنے کے لیے کام میں لایا جاتا ہے۔ اس کا انحصار زیادہ تر زبانی گفتگو پر ہے۔ ایک طریق امتحان جسے Wechsler-Intelligence Scale for Children کہتے ہیں' قول اور عمل دونوں طریقوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی طریقے ہیں جو صرف فعل سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ معیار ذہانت (IQ) کے لیے 70 ہو یا کوئی اور عدد اس کی صحت کا انحصار صرف طریق امتحان پر ہے۔

طریق امتحان میں فرق کے ساتھ ساتھ ہمیں امتحانوں کے فرق بھی مدنظر رکھنے چاہئیں۔ مثلاً سٹینفورڈ بینے کے طریق میں مختلف مراحل عمر پر مختلف مہارتوں کی جانچ ہوتی ہے۔ یہ طریق سکول جانے کی عمر سے قبل شروع کیا جاتا ہے اور بچے کے بالغ ہونے تک تمام مراحل عمر میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔ سکول جانے کی عمر سے قبل اور

ابتدائی مراحل عمر میں اس کا تعلق حرکات میں مہارت سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بتدریج زبانی بات چیت میں تبدیل ہوتا جاتا ہے۔ یعنی جب معیار امتحان یکساں رکھا جائے گا تو پانچ اور گیارہ سال کی عمر کے دو بچے بالکل مختلف حرکات کا مظاہرہ کریں گے۔ اگرچہ بہ اعتبار اعداد دونوں کی حیثیت ایک ہو۔

ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ بچوں کی ذہانت کے لیے ایک ہی طریق امتحان سے کام لیا جائے تاہم یکساں ذہانت (IQ) میں فرق ہوگا جو امتحان میں کارکردگی کے مختلف درجوں سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً Stanford Binet طریق عمر کے مختلف درجوں میں مشتمل ہے۔ اس میں عمر کے اعتبار سے ہر سطح پر چھ کام کرائے جاتے ہیں۔ امتحان اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک بچہ کسی معیار عمر پر تمام پرچوں میں ناکام نہ ہو جائے۔ یعنی جب تک بچہ یکے بعد دیگرے کسی خاص عمر کے پرچوں میں کامیاب ہوتا جائے گا۔ امتحان کا معیار بڑھتا جائے گا۔ اس طرح ممکن ہے عمر کے لحاظ سے زیادہ متفاوت گروپ میں کوئی بچہ ہر سطح کے دو یا تین پرچوں میں کامیاب ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور بچہ کم متفاوت عمر والے گروپ میں تمام پرچوں میں کامیاب ہو جائے۔ اس کے باوجود دونوں کے حاصل کردہ اعداد کی مجموعی میزان ایک ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں یکساں معیار ذہانت (IQ) ہونے کے باوجود بچوں کی کارکردگی کی کیفیت میں فرق ہو سکتا ہے۔

پس نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ استاد کو اپنے پسماندہ شاگردوں کے لیے تربیتی پروگرام مرتب کرتے وقت معیار ذہانت (IQ) کے اعداد سے زیادہ مواد کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے اسے ہر بچے کی تاریخ وار عمر کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ اس طرح بچے کے تجربات کی حیثیت اور اثر کے بارے میں کچھ علامتیں مل سکیں گی۔ ثانیاً بچے کی عمر اور معیار ذہانت (IQ) سامنے رکھ کر اس کی دماغی ذہنی عمر کا اندازہ کسی قدر ہو سکے گا۔ بچے کی ذہنی عمر (MA) دریافت کرنے کے لیے ایک بالکل سادہ فارمولے سے کام لیا جا سکتا ہے

بشرطیکہ اس کی تاریخ وار عمر یعنی (CA) اور معیار ذہانت (IQ) معلوم ہوں۔ فارمولا یہ ہے۔ CA x IQ/100 (مہینوں میں)=MA (مہینوں میں)

مندرجہ ذیل مثال سے اس فارمولے کا عمل ظاہر ہوتا ہے:

زید کی عمر 7 سال 9 ماہ اور اس کا معیار ذہانت (IQ) 75 ہے۔ یعنی زید کی عمر 93 ماہ ہوئی لہٰذا: 93 x 75/100 (ماہ)=MA

=69.75 (ماہ)

مہینوں کو برسوں میں منتقل کر لیا جائے تو 69.75/12 سال بنیں گے۔ یعنی زید کی ذہنی عمر (MA) پانچ سال دس مہینے ہوئی۔

لیکن فرض کرو کہ احمد کی عمر گیارہ سال تین مہینے اور اس کا معیار ذہانت (IQ) 75 ہے مندرجہ بالا حساب سے اس کی ذہنی عمر (MA) آٹھ سال پانچ مہینے ہوگی۔ اب اگر ہمیں ان بچوں کے بارے میں اور کسی بات کا علم نہ ہو تو ہم ان کے یہ تعلیمی پروگرام ترتیب دیتے وقت وثوق کے ساتھ طے کر سکیں گے کہ زید تو زیادہ سے زیادہ ابتدائی قاعدے پڑھنے کے قابل ہے البتہ احمد کو آسانی سے پہلی کتب پڑھائی جا سکتی ہے۔

پس جب ہم اس تاریخ وار اور ذہنی عمر (MA) کے اعداد و شمار کے ساتھ معاشی و معاشرتی معیار مدرسے کے تجربات اور شخصی مواد جیسی چیزوں کے بارے میں مطلع ہو جائیں گے تو انتظامی امور اور تعلیمی پروگرام کی ترتیب میں ان امکانی غلطیوں اور قیاس آرائیوں سے محفوظ رہیں گے جو آغاز تعلیم اور انتظامی اقدامات سے قبل درپیش ہوتی ہیں۔ ان امور میں سے بعض تو بچے کے گزشتہ ریکارڈ سے معلوم کیے جا سکتے ہیں اس کے علاوہ مواد سکول کے ماہر خصوصی کی مدد سے یا معاشیات کے ماہرین سے مل سکتا ہے۔ استاد یہ معلومات بچے کے خاندان اور اس کے ماحول سے واقفیت حاصل کر کے بھی مہیا کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ پسماندہ بچے کی صلاحیت کی توضیح اور تعلیمی طریق کار مرتب کرنے کے لیے صرف معیار ذہانت (IQ)

ہی کا معلوم ہونا کافی نہیں اس کے برعکس ذہنی عمر (MA) کا علم بچے کے درجۂ ذہانت (IQ) کے اور درسی پروگرام کی ترتیب کے اندازے میں زیادہ اہم اور معنی خیز ہے۔

کیا قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کی شناخت سہل کام ہے

بعض اساتذہ کا خیال ہے کہ قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کی شناخت ان کے طرز عمل اور تعلیمی کام کی سطح مدنظر رکھتے ہوئے بالکل سہل ہے۔ یہ بات صرف ایک حد تک صحیح ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ پسماندہ بچے تعلیمی صلاحیت میں جماعت کی سطح سے عموماً نیچے رہ جاتے ہیں لیکن اس سطح سے نیچے رہنے والے بعض ایسے بچے بھی ہیں جو ذہنی کمزوریوں کے علاوہ دیگر مسائل سے دو چار ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ پست کارکردگی ہی کو نیا انتخاب نہ بنائیں بلکہ آگے بڑھیں۔ ذہناً پسماندہ بچوں کو ان بچوں سے الگ کریں جن کو مختلف تدابیر کی ضرورت ہے۔

سکول کے ابتدائی برسوں میں یہ جان لینا آسان نہیں۔ اگرچہ بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے کیونکہ بچوں کی کارکردگی میں فرق بہت معمولی پایا جاتا ہے۔ اس مرحلے پر نیز آگے چل کر بچے کی نشوونما کے دور میں بہترین طریق کار یہ ہے کہ کسی تربیت یافتہ ماہر نفسیات کے فیصلے پر انحصار کیا جائے۔

جدول نمبر 2 ان طریق ہائے کار کی تشریح کرتی ہے جو جماعت میں ذہناً پسماندہ بچوں کی شناخت کے لیے عموماً بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ بچے کی شناخت کے عمل کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ محض اتنا ہی نہیں کہ معلومات کی روشنی کا رخ بچے کی طرف پھیر دیا جائے اور بھی بہت سی چیزیں محض امتحان میں ہوتی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کسی بچے کو ایک بار ذہنی طور پر پسماندہ قرار دے دینے کا مطلب یہ ہے کہ گویا اس پر ایک مستقل لیبل لگا دیا جائے۔ ہمارے ارادے کتنے ہی مشفقانہ اور زیبا کیوں نہ ہوں، ہم بہرحال بچے کے لیے ایسا درجہ تجویز کر دیں گے جو پسندیدگی سے یقیناً بعید

ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارا پہلا فیصلہ زیادہ سے زیادہ درست ہو کیونکہ ایک مرتبہ لیبل لگا دینے کے بعد اس سے ہٹنے یا اسے بدلنے مواقع بہت کم رہ جاتے ہیں۔

جدول نمبر 2 میں جن طریقوں کو الف' ب اور ج کہا گیا ہے' انہیں انفرادی نفسیاتی جائزے کی تمہید سمجھنا چاہیے۔ بعض مدارس روپے اور وقت کی کمی کے باعث طریق ''ج'' یعنی تجزیہ ذہنی پر انحصار رکھتے ہیں۔ یہ طریقہ ناکافی ہے۔ ممکن ہے اس تجزیہ سے ذہنی پسماندہ بچوں کو شناخت کر لیا جائے لیکن اس طرح زیادہ مواقع اس بات کے ہیں کہ ان بچوں پر ذہنی کمزوری کا لیبل لگ جائے جو حافظے کی کمزوری' جذباتی مسائل اور تہذیبی محرومی کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر یہ بچے ان مشکلات سے دو چار نہ ہوئے تو ان میں سے خاصی بڑی تعداد عام سطح یا خاص ذکاوت کے معیار پر پوری اترتی ہے ایسے بچوں کو پسماندہ قرار دے دینا ناانصافی بھی ہے اور موجب بھی کیونکہ ممکن ہے خاطر خواہ علاج سے یہ بحالی کے قابل ہو جائیں۔ ان بچوں کو پسماندہ گردان لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی اصلاحی امداد و اعانت سے پہلو تہی کی گئی جس کی انہیں ضرورت تھی۔

جدول نمبر 2: ذہنی پسماندہ بچوں کی شناخت کے طریقے

طریق کار	
الف۔ مشاہدہ استاد	استاد جماعت میں اکثر بچے کی کارکردگی حدود یا ان کی روش پر انحصار رکھتا ہے۔ اگر بچوں کی کارکردگی میں فرق کم ہو تو ممکن ہے استاد اسے نظر انداز کر دے۔ ممکن ہے غبی یا ضرورت سے زیادہ شریر بچہ جس کی روش بظاہر قابو سے باہر ہو پسماندہ قرار دے دیا جائے۔ انفرادی نفسیاتی تجزیہ ضروری ہے۔
ب۔ جماعتی ذہنی امتحان	پوری جماعت کی چھان بین کے لیے جہاں کارکردگی یا روش کا فرق نہ ہو، بہتر ہے۔
ج۔ انفرادی ذہنی پیمائی کا جائزہ	جماعتی ذہنی امتحان سے اُولیٰ ہے، لیکن اس کے بھی حدود ہیں۔ یہ تو بتا دیتا ہے کہ بچہ ذہنی امتحان کا کون سا درجہ حاصل کرے گا، مگر یہ نہیں بتاتا کہ ایسا کیوں ہوگا؟
د۔ انفرادی نفسیاتی جائزہ	بہترین اور قابل انحصار عمل ہے۔ یہ نہ صرف بچے کا ذہنی معیار ہی بتا دیتا ہے بلکہ اس کی خوبیوں اور کمزوریوں کے علاوہ اس کی شخصی نشوونما بھی نمایاں کر دیتا ہے۔ اگر دانشمندی سے کام لیا جائے تو یہ طریقہ اشد ضروری ہے۔

بچے کی ذہنی شناخت کا سب سے زیادہ قابل انحصار طریقہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کا بہترین نفسیاتی تجزیہ کرایا جائے ایسے ماہر نفسیات کے پاس ذہنی اور نفسیاتی تجزیے کے تمام ضروری آلات و ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ یہ تجزیہ (مع اس علم کے جس کا تعلق بچے کی لازمی ترقی سے ہو) اور ممتحن کا عینی مشاہدہ، یہ سب مل کر غلطی

کے امکانات کو کم کرتے ہیں۔ جب امتحان مکمل ہو جائے تو ماہر نفسیات کے پاس بچے کی کیفیت کا مکمل نقشہ موجود ہوگا۔ یہ اس خاکے سے بہتر ہوگا جو الف' ب' ج کے طریقوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ماہر نفسیات استاد کو بہت سی تعمیری تجویزیں بتا سکے گا جن سے بچے کو تعلیم دی جا سکے اور اسے قابو میں رکھا جا سکے۔

ہمیں مان نہیں لینا چاہیے کہ لیبل لگانے میں غلطیوں کا امکان زیادہ سے زیادہ گھٹا دینا بچے کی صحیح شناخت کی کسوٹی ہے۔ تحقیق اور تجربہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں نفسیاتی تجزیہ بہترین اصول ہے۔

پسماندہ بچے کیسے ہوتے ہیں؟

پسماندہ بچوں کا ذہین بچوں سے تقابل اور اساتذہ کے سالہا سال کے بالغ نظرانہ مشاہدات ان بچوں کے بارے میں ایسی معلومات فراہم ہو گئی ہیں جن سے تعلیمی اور انتظامی امور کو تقویت پہنچتی ہے قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کی صفات کے سلسلے میں اہم ترین عناصر یہی ہیں جنہیں ذہین نشین کر لینا چاہیے۔

(الف) یہ صفات عام اور ذہین بچوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ فرق محض درجے کا ہوتا ہے نہ کہ قسم کا۔

(ب) بہت کم بچوں میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو زیر بحث آتی ہیں۔

(ج) بہت سی خصوصیت بدل سکتی ہیں' بشرطیکہ فہم و تشخیص بھی درست ہو اور مداوا بھی ٹھیک ہو۔

خاندانی پس منظر

قابل تعلیم پسماندہ بچوں کی بہت بڑی تعداد عام راستے سے ہٹے ہوئے یا اس سے قریبی ماحول سے آتی ہے۔ ان کے رہن وسہن کے حالات عام سطح سے پست ہوتے ہیں اور صاف پتا چل جاتا ہے کہ انہیں جسمانی یا ثقافتی غذا پوری نہیں ملی۔ اکثر

میں بیماری کا میلان پایا جاتا ہے اور جسمانی استحکام ناپید ہوتا ہے۔ ان کی زبان تاخیر سے نشوونما پانے والی نہ بھی ہو تو اکثر تہی دامن ہوتی ہے۔ اور وہ روزمرہ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ بچوں کی خاصی بڑی تعداد میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ تعلیم میں ان کے لیے کوئی محرک نہیں ہوتا۔ اور یہ مشکل یا تو خاندانی سرد مہری سے پیدا ہوتی ہے یا اس لیے ظہور میں آتی ہے کہ ان کے خاندان مقصد تعلیم کو سمجھتے نہیں۔ بعض خاندانوں میں عموماً ایک سے زیادہ ذہنی پسماندہ بچوں کا پایا جانا بھی کوئی غیر معمولی واقع نہیں۔

متوسط اور اونچے درجے کے گھرانوں میں ایسے بچوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ ان خاندانوں میں ایسے بچے کسی حادثے یا پیدائش کے وقت کی کسی علالت یا بچپن میں کسی بیماری کے باعث پسماندہ رہ جاتے ہیں۔ فارغ البال لوگوں میں پسماندہ بچوں کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ پسماندگی صرف غریب اور بدقسمت خاندانوں ہی تک محدود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پسماندہ بچوں کے تعلق میں عوام کی روش جس حد تک بہتر ہوتی جائے گی اور تشخیص کے طور طریقے جس حد تک ترقی کرتے جائیں گے ہمیں ہر معاشی و معاشرتی سطح پر ایسے زیادہ سے زیادہ بچے ملیں گے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پسماندہ بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ جو بچے پہلے آزمائشی امتحانوں میں شناخت نہیں ہو سکے تھے۔ وہ اب سامنے آرہے ہیں۔

کیا قابل تعلیم ذہنی پسماندگی طرزِ عمل کا مسئلہ ہے؟

جس شے کو طرز عمل کا مسئلہ کہا جاتا ہے' اس پر انحصار رکھتے ہوئے اس سوال کا جواب غالباً اثبات میں ہوگا یعنی جب ہم پسماندہ بچوں کو باقاعدہ جماعتوں میں رکھنے پر غور کریں گے۔ ممکن ہے یہ صورت حال مدرسے کے اوائل میں زیادہ محسوس نہ ہو۔ لیکن جوں جوں بچہ بڑا ہوگا وہ ان ہر سہ طریق کار میں سے کسی ایک کا مظہر ضرور ہوگا۔ سب

سے پہلے وہ اپنے ماحول سے الگ رہے گا۔ ثانیاً ممکن ہے استاد اور دوسرے بچوں کے ساتھ اس کا طرزِ عمل منفی قسم کا ہو بلکہ خود اپنے متعلق بھی اس کا یہی اندازہ ہو۔ تیسرے ممکن ہے وہ بہت جھگڑالو ہو۔

جب ہم ان حالات کا مطالعہ کرتے ہیں جن کے ماتحت پسماندہ بچہ اپنے طریق کار کا مظاہرہ کرتا ہے' تو اس کا طرزِ عمل قابل فہم بن جاتا ہے۔ گھر پر' پڑوس میں اور بالخصوص مدرسے میں بچے کو ایسے کاموں اور کارکردگی کی ایسی امیدوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ جس کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں وہ ان بچوں کو بھی دیکھتا ہے جو بظاہر اس سے زیادہ مختلف نہیں ہوتے لیکن ہر کام کو عجلت کے ساتھ اور مستعدی سے کر لیتے ہیں لیکن جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے خود اسے اور اس کے گرد لوگوں کو بھی اس کی اور دوسرے بچوں کی کارکردگی میں نمایاں فرق نظر آنے لگتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض بچے ناخوشگوار حالات سے گریز کرتے ہیں۔ وہ خیالی پلاؤ پکانے ہی میں مطمئن رہتے ہیں اور افسوسناک حالات سے بچنے کے لیے جماعت کے پس منظر میں گم ہو جاتے ہیں۔ بعض بچے جو منفی نمونے کے ہوتے ہیں دوگونہ رجحان اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک طرف تو وہ جماعت کے ساتھ ساتھ چلنے اور جماعت کی دلچسپیوں میں حصہ لینے کی کوشش کرتے ہیں دوسری طرف ناکامی کا احساس انہیں اس سے باز رکھتا ہے۔ لہٰذا پہلے پہل تو وہ جماعت کے کام کاج میں آگے بڑھتے ہیں۔ لیکن عین اس وقت جب کارکردگی کے مظاہرے کا موقع سامنے آتا ہے وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ایسے اکثر بچوں کے لیے گریز و شمول دونوں تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

عموماً استاد کا جس ماحول میں جھگڑالو بچے کے لیے دباؤ روز افزوں ہوگا وہ اس میں سے نکل بھاگنے کے لیے ہر سمت بڑھے گا اور اکثر نامطلوب طریقے اختیار کرے گا۔ اس کا طرزِ عمل اکثر استاد کی بہترین اختیار کردہ تدابیر کو درہم برہم کر ڈالتا ہے ہر سامنے آنے والے کو آزردہ کر دیتا ہے ساتھی علی الاعلان اس کی مخالفت کرتے ہیں جس

سے اس کی تنگ مزاجی میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ بدمزاجی جارحانہ طرزِ عمل میں نہیں بلکہ نامناسب اشتغال میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا بدمزاج بچہ بلاوجہ شوروغوغا کرتا ہو اور ساتھیوں کے جذبات کا لحاظ نہ رکھتا ہو۔ ایسا بچہ اکثر اپنی قابلیت کا غلط اندازہ کر لیتا ہے اور اندھا دھند ان کاموں کی طرف بڑھتا ہے جن کے لیے اس کی بہترین صلاحیت سے بدرجہا زیادہ صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پر کڑی نکتہ چینی کی جاتی ہے اور اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ایسا بچہ ان واقعات سے سبق نہیں لیتا بلکہ اپنی غلطیوں کو باربار دہراتا رہتا ہے۔ ایسے تمام بچوں کے سلسلے میں استاد معاون بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ہر بچے کی ضرورتوں کے مطابق کام کرے اور اس کی روش کو مدارِ عمل نہ بنائے۔ اگر وہ ادراک و احساس سے کام لے۔ خوب سوچ سمجھ کر تدابیر کا نقشہ تیار کرے تو وہ ناکامی کی لہر کا رخ پلٹ سکتا ہے۔ وہ اپنے تجربات اور تجاویز کی مدد سے ناکامی کی رو کو بدل سکتا ہے اور اس طرح جماعت کے کاموں اور سرگرمیوں کو ایسی صورت دے سکتا ہے کہ قابلِ قبول تعمیری مقاصد نظر آنے لگیں۔ لیکن ہر بچے کے متعلق علم ضروری ہے۔ اس کی اچھائیوں اور کمزوریوں سے آگاہ ہونا لازم ہے۔ پسماندہ بچے کے بارے میں لائحہ عمل مرتب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی استعداد اور پسند کا پتا لگایا جائے پھر اس سے ایسے طریق پر کام لیا جائے کہ وہ رفتہ رفتہ اس مقام پر پہنچ جائے جہاں سے وہ خود دیکھ لے کہ ایسی سرگرمیاں بھی ہیں جو اس کے لیے صلے اور تسکین قلب کا موجب بنیں گی۔ ممکن ہے بچے کی ترغیب کے لیے استاد کو کئی دلکش طریقوں سے کام لینا پڑے تاہم اسے نتیجہ خیز کاموں پر لگانے کے سلسلے میں کوئی بھی کوشش خالی از فائدہ نہ ہوگی۔

دوگونہ رجحان رکھنے والے بچے کے لیے منصوبہ بندی سے واضح ہوگا کہ اطاقِ درس کی رکاوٹیں عارضی طور پر دور کر دی جائیں تاکہ وہ زیادہ مشکل اور ناقابلِ عبور نہ نظر آئیں۔ لہٰذا جب بچہ یہ سمجھ لے کہ پیچھے رہ جانے کی نسبت آگے بڑھنے میں زیادہ فائدہ

ہے تو وہی رکاوٹیں بتدریج اس کی قابلیت کے مطابق بڑھائی جاسکتی ہیں۔

سب سے مشکل مسئلہ بدمزاج بچوں کا ہوتا ہے۔ ایسا بچہ انتظامیہ پر بوجھ بن جاتا ہے کیونکہ اس کی بدمزاجی جماعت یا اس کے کسی حصے پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے کوئی آسان ومختصر طریقہ موجود نہیں۔ ایک حل مشورت بھی ہے۔ بہت سے پسماندہ بچے اتنی بصیرت رکھتے ہیں کہ سمجھ لیں استاد کی کوششوں کا مدعا اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان بچوں کو اپنی روش کے لوازم کا اندازہ کر لینے میں مدد ملے۔ ان کے اہل خاندان سے میل جول بھی کافی ممد ومعاون ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بدمزاجی یا غیر مناسب جارحیت زیادہ تر اس دباؤ اور ٹھکراؤ سے ابھرتی ہے جو گھر کے ماحول کے دباؤ یا گھر کے ماحول میں پایا جاتا ہے۔

ایک اور طریقہ یہ ہے کہ خود استاد کامیابی کے تجربات کا انتظام کرے۔ ان تجربات کی کامیابی حقیقی اور واضح ہونی چاہیے۔ نیز یہ بے تعلق کاموں یا ہتھکنڈوں کا نہیں اطاقِ درس کی روایتی دلچسپیوں کا نتیجہ ہونے چاہئیں۔ صفائی' پرنسپل کے پاس رپورٹ' P.T.A میٹنگ کے لیے کرسیوں وغیرہ کا انتظام' یہ سب باتیں مفید ہیں لیکن بچے کو حقیقی کامیابی کا احساس دلانے کے لیے کافی نہیں۔ ممکن ہے عمومی پروگرام میں بچے کی غیر حاضری استاد کے لیے آرام کا باعث ہوسکے۔ لیکن ان طور طریقوں کے متعلق یہ خیال نہ ہونا چاہیے کہ یہ ہر بچے کو فائدہ پہنچانے والی سرگرمیاں ہیں۔

یہ جان لینے کا اچھا موقع ہے۔ ذہناً پسماندہ مگر قابل تعلیم بچوں کے لیے جن کے ساتھ روش کے مسائل بھی وابستہ ہیں۔ کمزور' دوگونہ رجحان رکھنے والے اور بدمزاج تینوں نمونوں سے کام لینے کی ضرورت ہے اور تینوں کا مقصد ایک ہے۔ ہم سب کی طرح یہ بچے بھی چاہتے ہیں کہ دوسرے انہیں اپنائیں۔ معاشرے میں ان کا کوئی مقام ہو۔ انہیں بھی کامیابی کے احساس کی ضرورت ہے۔ ان بچوں کی قابلیت صلاحیت اور ان کے احوال گردوپیش کے تقاضوں کی روشنی میں ان کا طرز عمل معقول اور قابل

ادراک ہوتا ہے۔ استاد کی طرف سے عام تدبیر یہ ہوتی ہے کہ لیکچروں' سزا یا صلے کے ذریعہ سے بچے کو بدلا جائے۔ اس سے زیادہ نتیجہ خیز یہ تدبیر ہوسکتی ہے کہ حالات پیش بدلے جائیں یوں اس کا طرزِ عمل بدلنے کی کوشش کی جائے۔ اطاقِ درس کے حالات بدلنے کے طریقے پر بحث بعد کے ایک حصے میں ہوگی۔

قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچے کو کون پسند کرتا ہے؟

عام اطاقِ درس میں پسماندہ بچے کی معاشرتی پسندیدگی کے متعلق جماعت دار مشاہدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح بھی ہر دلعزیز نہیں ہوتا۔ ہم جماعتوں کو کام' کھیل اور دیگر دلچسپیوں میں ساتھی انتخاب کرنے کی اجازت دی جائے تو وہ عام طور پر پسماندہ بچے کو منتخب نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ قابل تعلیم مگر ذہنی طور پر پسماندہ بچہ اگرچہ جسمانی حیثیت سے جماعت میں حاضر ہوتا ہے تاہم عمرانی اعتبار سے اسے غیر حاضر ہی سمجھنا چاہیے۔

اساتذہ یہ جاننے میں غالباً دلچسپی محسوس کریں گے کہ قابل تعلیم مگر ذہنی پسماندہ بچوں کو ان کے طرزِ عمل ہی کی وجہ سے نظرانداز کیا جاتا رہا ہے۔ ورنہ ان بچوں کا درسی طور پر کمزور ہونا اس قدر اہم بات نہ تھی۔ خرابیٔ احوال کے موجبات پر تھے۔ مثلاً بدمزاجی ' سادہ لوحی' عاقبت نااندیشی' پاک صاف نہ رہنا اور کھیلوں میں مہارت کا فقدان وغیرہ۔

یہ تمام حالات تعلیمی کمزوریوں کی نسبت زیادہ آسانی سے روبہ اصلاح ہوسکتے ہیں۔ تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ ذہنی طور پر پسماندہ مگر قابل تعلیم بچے خاص جماعتوں میں پہنچتے ہیں تو غالباً اپنی وضع کے دوسرے بچوں کے مقابلے میں شخصی عوامل کے اعتبار سے زیادہ تندرست ہوتے ہیں جو عام جماعتوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ ممکن ہے اس کا سبب خاص جماعتوں کا ماحول ہو جہاں مقابلہ سراسر مناسب اور ان کی قابلیت

کے مطابق ہوتا ہے۔ باقاعدہ جماعتوں کا ماحول جس حد تک ممکن ہو قابل قبول بنا دینا چاہیے۔ ممکن ہے اس طرح قابل تعلیم مگر ذہنا پسماندہ بچوں کی نا قابل قبول روش میں بھی بڑی حد تک کمی آ جائے۔ اور انہیں ہم جماعتوں میں قبول حاصل ہو۔

مدرسے میں قابل تعلیم پسماندہ بچوں کی ترقی باہم کس قدر مختلف ہے

عام بچوں کی طرح پسماندہ بچوں کی ترقی بھی باہم مختلف ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ پسماندہ بچے جماعت کی اوسط سطح سے نیچے ہوتے ہیں۔ ان کی کارکردگی میں درجات اور نوعیت موضوعات کے مطابق فرق ہوتا ہے۔

اوائل کے درجات میں خاص مواقع پر عام اور پسماندہ بچے امتحان میں یکساں نتائج دکھاتے ہیں۔ لیکن بعد میں موخرالذکر بچوں کا نتیجہ جماعت کے اوسط سے کئی ماہ پیچھے رہ جاتا ہے۔ شروع میں یہ فرق آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ جوں جوں مضامین زیادہ مشکل ہوتے جاتے ہیں اور جوں جوں میکانکی قابلیت ذہنی قابلیت میں ملتی جاتی ہے یہ فرق زیادہ نمایاں ہونے لگتا ہے۔ بہت سے پسماندہ بچوں میں ذہنی قابلیت میکانکی قابلیت میں شامل ہی نہیں ہوتی۔ اس طرح بعض چوتھی پانچوں حتیٰ کہ چھٹی جماعت تک کے مضامین پڑھ لینے کے قابل ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ استعداد بہت کم مستقل رہتی ہے۔ ممکن ہے وہ پانچویں جماعت کی کتاب کے الفاظ پڑھ لیں لیکن مضمون صرف دوسری جماعت ہی کا سمجھ سکتے ہوں اسی طرح ممکن ہے انہیں ریاضی کے ابتدائی قاعدے تو آتے ہوں لیکن عبارتی سوالات نہ سمجھ سکتے ہوں۔

جہاں تک زبان دانی کا تعلق ہے پسماندہ بچے کیفیت اور دائرہ معلومات کے لحاظ سے ہم جماعتوں کے مقابلے میں کمزور ہوتے ہیں ان کے مختصر فقرے اور زاویہ افکار صرف اس حقیقت کو ظاہر نہیں کرتے کہ بچہ ذہنی طور پر پسماندہ ہے بلکہ ان سے بچے کے گھر اور ماحول کے دائرہ افکار کی فرومائیگی اور الفاظ کی قلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

معاشرتی علم بھی جو جماعت میں عام طور پر زبانی پڑھائے جاتے ہیں۔ پسماندہ بچوں کی تعلیمی کمزوری کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگر معلم زبانی بیان کی قابلیت میں کمزوری کو محدود تجربے اور علم کا باعث قرار دیدے تو وہ یقیناً دھوکہ کھائے گا۔ بعض پسماندہ بچے معاشرتی علوم میں کافی دسترس حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنی اس تعداد کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتے۔ معاشرتی علوم میں پسماندہ بچوں کی کمزوری عموماً پیچیدہ اور مشکل موضوعات میں ظاہر ہوتی ہے۔

معاشرتی علوم میں تعلیم پانے والی جماعت کو جس میں پسماندہ طلبہ بھی شامل ہیں قابلیت کی منزل کی طرف متحدہ اقدام کے مواقع زیادہ ملتے ہیں دوسرے مضامین کے لیے بچوں کو ان کی سطح ترقی پر براہ راست ہدایات کی ضرورت پڑتی ہے۔ میکانکی قابلیت اور تعلیمی مضامین کے تصور پر زور دینا بھی ضروری ہے اگرچہ اس میں بہت وقت اور محنت چاہیے۔ زبان دانی کی ترقی میں ہمارے لیے گریمر کی غلطیوں کی عادت دور کرنا لازم ہے۔ یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ جہاں متعدد الفاظ کی ضرورت ہو وہاں مختصر یک لفظی جواب قبول نہ کیا جائے۔ اس طرح بیان کے چھوٹے چھوٹے عیوب دور کیے جائیں۔

چونکہ پسماندہ بچوں کی ترقی کی منزلیں ذہین بچوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کا علاج بھی ان کی قابلیت اور کمزوری کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہر بچے کی تعلیمی قابلیت اساتذہ کے تجربات سے ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا بچے کی ترقی کے سلسلے میں ایسے امتحانات کی ضرورت ہے جو بچے درجۂ قابلیت ظاہر کریں۔ ممکن ہے عام جماعت کے لیے مناسب امتحان پسماندہ بچے کے لیے غیر مناسب ہو۔ مثلاً پانچویں جماعت کا مدرس اپنی جماعت کے لیے موزوں درمیانہ درجے کا امتحان مقرر کرتا ہے۔ اس جماعت میں ذہنی پسماندہ بچہ جو عموماً ابتدائی معیار پر ہوتا ہے ہر حصۂ امتحان میں سب بچوں سے پست پایا جائے گا اور اس کے نتیجے کا گراف ایک خط مستقیم ہوگا۔ لہٰذا اس امتحان سے

اس کا نقطۂ عروج تو معلوم ہو جائے گا لیکن کمزوری کا صحیح اندازہ نہ ہوگا۔ لہٰذا اس بچے کے لیے ابتدائی سطح ہی کا امتحان بہتر ہوگا۔ یہ امتحان نہ صرف اس کی قابلیت ظاہر کرے گا۔ بلکہ کمزوری بھی معلوم ہو جائے گی اور نصاب کے ابتدائی مراحل میں اس کے مقام کا ایسا ہی اندازہ ہوگا جیسا پہلی جماعتوں میں ہوتا ہے۔

قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کے لیے سکول کا لائحہ عمل

بچے کی ترقی کے اندازے اور مدرس کے مشاہدات عموماً بچے کے لیے مناسب تعلیمی مواد ظاہر کرتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ مقاصد تعلیم کی تربیت میں بچے کی انفرادی سمجھ مدنظر رکھے۔ اگر تیسرے درجے کے پسماندہ بچے کے لیے پہلے درجے کا قاعدہ تجویز کیا جائے تو ان اثرات کے بارے میں اچھی طرح غور کر لیا جائے جو اس قدر کم درجہ درس مقرر کرنے سے پیدا ہوگا۔ کیونکہ بچہ یقیناً ہم جماعت بچوں کو دلچسپ کہانیوں کی کتابیں پڑھتے دیکھے گا۔ اسے علم ہوگا کہ ہم جماعت ترقی کر کے پختگی حاصل کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اسے جماعت سے الگ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ اسے کمسن اور ناسمجھ بچوں کے سبق پر محنت کرنی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے بچے پڑھائی سے شرما کر بھاگ جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان حالات میں استاد یہ سمجھے کہ یہ نوعمر بچے اس لیے پڑھائی سے گریزاں ہیں کہ اس میں انہیں دلچسپی نہیں اور بعض اوقات یہ نظریہ کسی حد تک درست بھی ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ عام درجوں میں اکثر ذہنی پسماندہ بچے پڑھائی سے اس لیے نفرت کرتے ہیں کہ درس انہیں باعث مضحکہ بنا دیتے ہیں۔

ان پسماندہ بچوں کی عمروں کا پڑھائی کی سطح کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کے لیے ایک تعمیری طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ ان کے لیے اضافی درسی کتب مہیا کی جائیں جو علاج کا کام بھی دیں۔ آج کل بہت سی درسی کتب سلسلہ وار بنائی گئی ہیں جو

پہلے قاعدے سے شروع ہوتی ہیں۔ بعض سلسلوں میں دلچسپ اور آسان کتابیں زیادہ اقسام میں موجود ہوتی ہیں۔ ایسے بچے کے لیے جو جماعت میں بہت پست ہو ایسی درسی کتابیں تجویز کرنا ضروری ہے جو مقررہ درس کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ صفحات پر وہی تصاویر ہوتی ہیں جو دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہیں لیکن موضوعات کی تشریح آسان زبان میں ہوتی ہے۔

مدرس کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ عملی کام کی کاپی کہیں خود اس کی جگہ نہ لے لے۔ پسماندہ بچے کو نقل کرنے کے لیے ایسے الفاظ کی طویل فہرست مہیا کرنا جو تصاویر کے بھی مطابق ہوں بہت آسان کام ہے۔ لیکن بچے کو یکے بعد دیگرے جمع و تفریق کے سلسلہ وار سوالات حل کرانا یا اس سے مربعوں اور دائروں میں رنگ بھرانا بھی اتنا ہی سہل ہے۔ یہ شغل بچے کو مشغول اور خاموش رکھتا ہے اور اسے استاد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیتا۔ اس طرح استاد باقی جماعت کو بھی کام کرا سکتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پسماندہ بچے اپنی عملی کاپی سے وہ اصول سیکھ جائیں جو ان کے لیے ضروری ہوتے ہیں، پس ضروری ہے کہ پسماندہ بچے کے ساتھ روزانہ اس کی حد استعداد کے مطابق مختلف مسائل پر بحث و تمحیص کی جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ فقط یہ جان لینا کافی نہیں کہ اعداد کو جمع کیسے کیا جائے بلکہ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کب اور کیوں جمع کیا جائے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ استاد اور شاگرد کے مابین مسئلے کی تعلیم کے لیے شخصی بحث کی جائے۔

اگر استاد ضروری تجاویز اور انتظامات فراہم کر سکے تو پسماندہ بچہ عموماً معاشرتی علوم میں جماعت کے دوش بدوش رہ سکتا ہے۔ تجاویز کی تربیت میں وہ علاقے سامنے رکھے جائیں جن کے متعلق سماندہ بچہ خود بھی کچھ جانتا ہو۔ اگر اس سے اس کی استعداد کے مطابق سوالات کیے جائیں تو وہ جماعت میں بحث میں بھی حصہ لے سکے گا۔ اس طرح اگر اس کی استعداد کا خیال رکھا جائے تو وہ کمیٹیوں اور گروپوں کے ساتھ مل کر بھی کام

کر سکتا ہے۔ ایسے ہی حالات ان مضامین میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں جیسے صحت' دماغ' موسیقی' آرٹ اور جسمانی تعلیم۔ عمدہ تجاویز ان امور پر روشنی ڈالیں گی جن میں پسماندہ بچہ بھی معاون ہو سکے گا۔

بالآخر پسماندہ بچوں کے لیے مدارس کے پروگرام میں عام درجات کے لحاظ سے ایسے عناصر کا ہونا ضروری ہے جو خالصتاً تعلیمی ہی نہیں بلکہ دماغی صحت کے لیے بھی لازمی ہوں۔ یہ عنصر پسماندہ بچوں کو جماعت کے افراد میں شامل رکھنے پر مشتمل ہے۔ قبل ازیں پسماندہ بچوں کے معیار ذہن پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا گیا تھا کہ باقاعدہ جماعت میں ایسے بچوں کو ان کے ذہین ہم جماعت اکثر علیحدہ کر دیتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے چند ایک کو نہ صرف ان کے ہم جماعت اپنے حلقے میں شامل کر لیتے ہیں بلکہ معاشرتی اعتبار سے زیادہ اونچی سطح دے دیتے ہیں۔ دونوں باتیں یکساں طور پر اہم ہیں۔ یہ جاننے کے لیے کہ بعض پسماندہ بچے ہم جماعت بچوں میں کیوں پسندیدگی حاصل کر لیتے ہیں اور بعض کیوں نہیں کر پاتے ہمیں تین سوالوں پر غور کرنا پڑے گا۔

اولاً ہمیں پسندیدہ بچوں کی خصوصیات کا ناپسندیدہ بچوں کی خصوصیات سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں یہ سمجھ لینا بھی اہم ہوتا ہے کہ پسندیدہ بچے' مختلف خصوصیتوں میں اپنے کم نصیب ہم جماعتوں کی ضد ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کی قدروں کے غالباً بہتر اندازہ شناس ہیں اس لیے جماعت میں جذب ہونے کے قابل معیاروں کو سمجھ لیتے ہیں۔ ثانیاً جماعت کی قوت برداشت کا معیار معلوم کیا جائے۔ مشاہدے سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض گروپ عجیب و غریب عادات' خصوصیات اور طرز عمل برداشت کر لیتے ہیں۔ دوسرے گروپ ان کے خلاف منفی ردعمل رکھتے ہیں۔ ثالثاً ہم استاد اور مدرسے کے دیگر ارباب اختیار کے اندازِ کار کے متعلق پوچھنے میں بھی حق بجانب ہوں گے۔ تحقیق سے ظاہر ہے کہ استاد خواہ آگاہ ہو خواہ نہ ہو جماعت میں صحیح

ماحول پیدا کر سکتا ہے۔ اپنے طریق کار اور نصیحتوں کے ذریعے اکثر شاگردوں کے طرز
عمل کو بدل سکتا ہے۔

پہلے سوال پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ خود بچوں کا احساسِ اختلافات اور
احساس یکسانیت ناپسندیدہ افتراق کو ختم کرنے کی طرف پہلا قدم ہے۔ اکثر طرزِ عمل
کے اختلافات الگ الگ ظاہر نہیں ہوتے بلکہ مجموعی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ممکن
ہے جماعت کا طرزِ عمل یہ ظاہر کرے کہ زید کو تند مزاجی کے باعث ناپسند کیا جاتا ہے۔
لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذاتی صفائی کے معیار سے کم یا کھیلوں میں دھوکا دیتا ہو لہٰذا اگر
زید کو قابل قبول بنانا مقصود ہو تو اس پر ہر سہ اعتبار سے محنت کرنا پڑے گی۔ سوال یہ ہے
کہ کیا استاد ہر سہ شعبہ جات پر بیک وقت کام کرے گا یا یکے بعد دیگرے اس کا فیصلہ
استاد کو زید کی صلاحیت اور وقتی ضرورت کے پیش نظر خود کرنا ہوگا۔

یہاں سے دوسرے سوال پر توجہ منعکس ہوتی ہے۔ پسماندہ بچوں کو جماعت میں
خلط ملط کرنے کے لیے مدرس کو اپنی جماعت کی خصوصی حدودِ برداشت کا مطالعہ کرنا
ہوگا۔ خود استاد کی حد برداشت کا علم کافی نہیں۔ ممکن ہے اس کا مادۂ برداشت اس قدر
زیادہ ہو کہ بچے کے لیے نقصان دہ ہو جائے یا اس کی برداشت کا مادہ اس قدر کم ہو کہ
بچے پر غیر ضروری دباؤ پڑنے لگے۔ بعض اوقات استاد کو سوچنا پڑے گا کہ آخر کبھی کبھی
زید کو غلطی سے زیادہ سزا کیوں مل جاتی ہے؟ کیا باقی بچے اعتدال سے بڑھ کر تو اس کی
غلطی کو ظاہر نہیں کرتے؟ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ امکان یہ بھی ہے کہ زید کی بعض باتیں
استاد کے لیے قابل برداشت ہوں مگر طلبا انہیں برداشت نہ کریں۔

اس کی دوسری انتہائی حد یہ ہوگی کہ استاد زید کو جماعت میں بلانے کی کوشش
اعتدال سے زیادہ کرے گا جو ممکن ہے زید کے لیے پریشانی و حیرت کا باعث ہو۔ وہ
سمجھنے لگے گا کہ اس کے ہم جماعت تو اسے اپنے گروپ میں قبول کرتے ہیں لیکن استاد
شاید کسی قدر زیادہ پختگی کا متوقع ہے۔

تیسرا سوال جس کا تعلق استاد یا مدرسے کے دیگر ارباب اختیار کے طرزِ عمل سے ہے غالباً سب سے زیادہ تشویش انگیز ہے کیونکہ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ کوئی کیونکر جان سکتا ہے کہ کسی تقریر، عمل یا طریق کار میں اشارات و کنایات شاگردوں پر کس طرح اثر انداز ہو رہے ہیں۔ آیا وہ جماعت کو پسماندہ بچے کے خلاف تو نہیں ابھار رہے ہیں؟ کیا ایسا تو نہیں کہ پسماندہ بچے کی ظاہری ہیئت، قابلیت اور طریق کار کے متعلق استاد کے بلا تعصب اشارات باقی جماعت کے لیے یہ معنی رکھتے ہیں کہ استاد پسماندہ بچے سے ان کی ناپسندیدگی کو قبول کرا رہا ہے؟ استاد کو واقفیت پسند ہونا لازم ہے اور اسے خود یہ سوچنا چاہیے کہ پسماندہ بچے کو کس طرح جماعت میں معیارِ پسندیدگی پر لائے۔

یہ سوال ایک حد تک اس کوشش کا حصہ ہوگا جو بچے کو جماعت میں محفوظ کرنے کے لیے روا رکھی جائے گی۔ مندرجہ بالا تحقیق مقام استاد کو مسئلہ کی اس نوعیت پر غور کرنے میں مدد دے گا جو اس میں مضمر ہے۔ صاف ظاہر ہو جائے گا کہ پسماندہ بچے اختیاری طرزِ عمل سیکھ سکتے ہیں۔

پسماندہ شاگرد کے بعض طریقِ کار یا طرزِ عمل خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ اس طرزِ عمل کا خالصتاً ناپسندیدہ بچہ ہی ذمہ دار نہیں ہوتا لہٰذا اسے جماعت میں ضم کرنے کے لیے پوری جماعت کو حصہ لینا ضروری ہے۔ لہٰذا استاد کو تمام بچوں کے لیے اس طرح محنت کرنا ہوگی کہ وہ قابلیت اور ناقابلیت کے دونوں پہلوؤں کا ادراک کر سکیں، شناسا اور ناشناسا دونوں کو قبول کر سکیں اور ایسی سمجھ بوجھ پیدا کر لیں جس سے دوسروں کے طرزِ عمل کو سمجھنا ممکن ہو۔ اس سمجھ بوجھ کے لیے بلوغت نظر کی ضرورت نہیں بلکہ یہ تعلیمی نصاب کا ایسا ہی اہم جزو ہے جیسا کہ دوسرے درسی مضامین۔

جماعتی یکجائی کے لیے تجاویز و تدابیر مرتب کرتے ہوئے استاد کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ خوشگوار تبدیلیاں کس طرح بروئے کار لائی جائیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ پسماندہ

بچوں کی تعلیم کا بہترین طریقہ اصولِ تعلیم کو نظر انداز کر کے آزاد طریق تعلیم اختیار کرنا ہے۔ اسے عام طور پر عادات کی تربیت کہتے ہیں۔ زمانہ حاضر کی اصطلاحات کے مطابق یہ طریق بھی ''پروگرام بنانے'' سے ملتا جلتا ہے۔ اس سلسلے میں بعض محرکات استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو واضح اثرات برآمد ہوتے ہیں۔ مثلاً بچہ کو سکھایا جاتا ہے کہ جب وہ گھر کے اندر ہو تو ٹوپی اتار دے۔ البتہ اس کا لحاظ ضروری ہے کہ پروگرام سوچ بچار کے بعد مرتب کیا جائے تاکہ اس سے حسن کارکردگی ظاہر ہو۔ ہماری اس مثال میں ''گھر کا ماحول'' ایک اہم لفظ ہے۔ فرض کیجئے استاد اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرتا اور ''گھر کے ماحول'' کی بجائے ''سکول کا ماحول'' قرار دے لیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بچہ کو عبادت گاہ، تھیٹر اور دیگر مقامات کے لیے الگ الگ پروگراموں پر عمل کرنا ہوگا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک یونہی جاری رہے گا جب تک استاد یا کوئی اور صاحب اختیار شخص یا خود بچہ ان تمام مقامات کے مشترک پہلوؤں کا اندازہ نہ کرنے کو محسوس کرے اور اس کی بنا پر وہ اپنے پروگرام میں مناسب تبدیلیاں کر لے گا۔

عادات کی شکل میں غیر شعوری طریق کار کی تعلیم کے برعکس تصورات کی تعلیم ہے جس سے خود بخود مناسب طریق اختیار کر لینا ممکن ہو جاتا ہے۔ تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پسماندہ بچے اس ذہنی تعلیم کے متحمل ہو سکتے ہیں اور اپنے تصورات کو روزمرہ زندگی میں آزادانہ استعمال کر لیتے ہیں۔ اگر طالب علم کو ایسی مشق کرائی جائے جس سے وہ اپنے تصورات کا موزوں اطلاق کرنے کے قابل ہو جائے تو اس طریق کار کی بہت سی خوبیاں ظاہر ہوں گی محض ان تصورات کی ذہنی تعلیم ذہنی مشق سے زیادہ درجہ نہیں رکھتی۔ تصورات اور ان کا موزوں احوال و مواقع میں اطلاق بچے کو اس قابل بننے میں مدد دیتا ہے کہ جو کچھ اس نے سیکھا ہے اس سے روزمرہ کی زندگی میں کام لے سکے۔ نیز اسے یہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ حالات کی موافقت کے مطابق جہاں جیسی ضرورت ہو اپنے علم کو استعمال کرے۔

ذہنا پسماندہ کے لیے تصورات سیکھنے اور ان سے تعلیمات پیدا کرنے کی صلاحیت ہر بچے میں مختلف ہوتی ہے۔ یہ اصول ہر قسم کے بچوں کے لیے درست ہے۔ لیکن اسے ترقی کے لیے سدراہ نہ جاننا چاہیے۔ ہر بچے کے ساتھ اس کی ضروریات ذہنی کے مطابق عمل کرنے کی اہمیت ظاہر ہے۔ اس طرح اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ بچے میں تصورات کی صلاحیت پیدا کرنی مطلوب ہے تو ضروری ہے کہ اسے تعلیمی ماحول میں داخل کیا جائے۔ تقریریں اور مشق اغلب ہے بچے کو اشارات اور لیبلوں سے آگاہ کر دیں۔ لیکن تصورات کا بنیادی تخیل شاید اس کی سمجھ سے باہر ہو۔ تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں دو نہایت سود مند طریقے یہ ہیں۔ جو کچھ پیش آ چکا ہو' اس کے جائزے کے سلسلے میں بحث و گفتگو یعنی ایسا کیوں ہوا اور صورتِ حال کی تلافی کیونکر ہو سکتی ہے؟

مسائل کے متوازی حالات کی معاشرتی تمثیلات پیش کرنا۔

مدرس کو چاہیے کہ ان مباحث میں دوسرے بچوں کو بھی شریک کرے کیونکہ اس سے انہیں یہ اندازہ ہوگا کہ ان کے پسماندہ ہم جماعت بھی سوچتے اور عمل کرتے ہیں اور یہ بات کسی حد تک پسماندہ بچوں کے لیے بہتر ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ تصورات ذہنی کی تعلیم آزاد تعلیم کی نسبت زیادہ وقت اور محنت کی طلب گار ہے۔ تاہم ایک عرصے تک تصورات کی تعلیم اور اس کی عمومیت کے تواتر سے تطابق کی صلاحیت بڑھتی ہے اور غیر شعوری طرزِ عمل میں کمی ہوتی جاتی ہے۔

پسماندہ بچے سے متعلق مسائل

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جماعت میں پسماندہ بچے کی مقبولیت کے مسئلے پر کیوں اس قدر زور دیا جاتا ہے؟ اگر چہ سب نہیں تاہم اکثر پسماندہ بچے ہم جماعتوں کے ساتھ تعلقات استوار کیے بغیر بھی تعلیم مکمل کر لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض کالج میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں بھی کافی حد تک کامیاب رہتے ہیں۔ بعض معاشرہ میں بھی اپنا مقام پیدا کر لیتے ہیں اور بخیر و خوبی وقت گزارتے ہیں۔ درسگاہ کے اندر جو مسائل پسماندہ بچے کے لیے تعلیمی اور معاشرتی معیاروں کے ساتھ تطابق میں مشکلات کا باعث ہوتے ہیں وہ زندگی بھر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اس اعتبار سے سکول کی زندگی آئندہ حالات کا پیش خیمہ قرار پاتی ہے۔ یاد رہے کہ پسماندہ بچے میں استعداد کے اعتبار سے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی ایک خوابیدہ قوت ہوتی ہے جسے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ کاش اس کے ماحول کا کوئی فرد اس قوت کو پیدا کرنے کے لیے وقت صرف کر سکے اور محنت اٹھا سکے۔ اگر یہ قوت بیدار ہو جائے تو پسماندہ بچے کے لیے سن بلوغ کو پہنچنے پر معاشرے میں جذب کرنے کے مواقع بڑھ جائیں گے۔

یہاں پہنچ کر شاید استاد کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ پسماندہ بچے کے لیے اس کے آگے اور کیا ہے۔ کیا مدرسے کے بعد معاشرہ بھی اس کے لیے وہی مقام اسی ذمہ داری سے مہیا کر سکے گا جو پبلک سکول کا خاصہ ہے؟ پسماندہ بالغان کے حالات کے مشاہدہ سے پتا چلتا ہے کہ پبلک سکولوں کے ماحول کے مقابلے میں معاشرہ ذہنی طور پر کمزور لوگوں کو بہت کم رعایتیں دیتا ہے اور یہ رعایتیں بھی اس وقت دی جاتی ہیں' جب کسی پر کوئی مصیبت نازل ہو چکی ہو۔

پسماندہ گریجوایٹوں کی بہت بڑی تعداد کو صنعتی یا سرکاری اداروں میں غیر ترتیب یافتہ آدمیوں کا کام دیا جاتا ہے۔ ان میں کم تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جنھیں نیم

ترتیب یافتہ آدمیوں کا کام ملتا ہے۔ یہ اسامیاں بھی کسی طرح صرف ذہنی پسماندہ لوگوں کے لیے وقف نہیں ہوتیں بلکہ دوسرے معاملات کی طرح یہاں بھی انہیں مقابلہ درپیش ہوتا ہے۔

معاشرے میں تین اہم بے تعلق حالات بہ یک وقت کارفرما ہیں جن کے پیش نظر پسماندہ بچوں کے لیے مؤثر تعلیمی تیاری کا انتظام بہ طور خاص ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) ہائی سکولوں میں تعلیم چھوڑ جانے والے طلبہ کی کثیر تعداد

(2) غیر فنی پیشوں کا فقدان

(3) پیشہ ورانہ اور معاشرتی حالات کی بڑھتی ہوئی پیچیدگیاں

تعلیم چھوڑ جانے والے طلبہ کی کثیر تعداد

ہائی سکول سے خارج شدہ بچوں کے مسئلہ کے دو پیچیدہ حصے ہیں۔ اول یہ کہ ہائی سکول میں پسماندہ بچوں کی کثیر تعداد قانونی معیارِ عمر پورا ہونے کے بعد سکول سے نکل جاتی ہے وہ اکثر ایک مشقت طلب صورتِ حال سے بچنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اور وہ صورتِ حال سکول کا مخالفانہ ماحول ہوتا ہے۔ یہ حالات بالخصوص ان مدارس کے سلسلے میں بالکل درست ہیں جہاں ان پسماندہ طلبہ کے لیے کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ ہائی سکول کی خصوصی طرز کی جماعتوں میں جس ناکامی اور رسوائی سے روزانہ دو چار ہونا پڑتا ہے وہ اکثر پسماندہ طالب علم کی قوتِ برداشت سے باہر ہوتی ہے۔

پسماندہ نوجوان کے قبل از وقت سکول چھوڑ دینے کے اثرات پر کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ وہ اکثر معاشرتی اور جذباتی لحاظ سے ناپختہ ہوتا ہے اور مہارت و قابلیت کم سے کم نمو پاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ایک طرف تو اس کے ملازمت حاصل کرنے کا موقع کم ہو جاتا ہے' دوسری طرف معاشرے میں آزادانہ تطابق کی صلاحیت

پر برا اثر پڑتا ہے۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو مدرسے سے نکل جانے والے ان طلبہ سے متعلق ہے جو ذہنی طور پر پسماندہ نہیں ہوتے یہ طلباء کامیاب طلباء سے کم اور بالعموم پسماندہ طلباء سے زیادہ قابل ہوتے ہیں۔ مدرسے میں تربیت کی کمی کی وجہ سے اکثر ان کے لیے بھی ملازمت کے مواقع پسماندہ طلباء کی طرح ایک ہی قسم کے پیشے میں محدود رہ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی اسامی کے لیے بھی مقابلہ سخت ہو جاتا ہے۔

غیر فنی پیشوں کی کمی

جس زمانے میں مزدور ہاتھ سے کام کرتے تھے پسماندہ لوگوں کے لیے کئی قسم کی اسامیاں ہوتی تھیں۔ میکانکی ترقی سے یہ اسامیاں یا تو مفقود ہو گئیں یا دوسری اسامیوں میں ضم ہو کر پیچیدہ آسامیوں میں بدل گئیں۔ اس سلسلے میں کسان مرد اور گھر میں کام کرنے والی ملازمہ کی مثال نہایت مناسب ہے۔ چند برس قبل یہ دونوں پیشے مرد اور عورت مزدور کے لیے آمدنی کے عمدہ ذریعے تھے۔ بعدازاں زراعتی فارموں میں ٹریکٹر، بجلی سے دودھ دوہنے کے آلات اور دیگر بے شمار مشینیں پہنچ گئیں۔ زراعت کے میکانکی اوزاروں نے فردِ واحد کو اس قابل بنا دیا کہ وہ تنہا بڑے بڑے زرعی رقبوں کو زیر کاشت لا سکے۔ مزدوروں کے سلسلے میں جو چھان بین کی گئی ہے۔ اس کے مطابق ہاتھ سے کام کرنے والے دستی مزدوروں کی ضرورت ختم ہو گئی ہے۔ گھر کے اندر میکانکی آلات نے برتن دھونے کے لیے برش اور ٹب کی جگہ لے لی۔ فرش جھاڑنے کے لیے صفائی کی جدید مشین آ گئی اور اسی طرح کھانا پکانے کے بھی میکانکی انتظامات ہو گئے۔ اگرچہ یہ تو ابھی ممکن نہیں کہ گھر کا تمام کام محض بٹن دبانے سے ہو جایا کرے تاہم امدادی افراد کی ضرورت خاصی حد تک کم ہو چکی ہے۔ یہی صورت حالات صنعت و حرفت میں بھی درپیش ہے کیونکہ مزدوری بچانے والے خودکار پیچیدہ آلات آ گئے ہیں۔

خودکار اور میکانکی ایجادات نے پسماندہ اور غیر ہنرمند لوگوں کے لیے ملازمت کے امکانات اس قدر کم کر دیئے ہیں کہ اب یہ مسئلہ تعلیم اور بحالی و آبادکاری کے ارباب اختیار کے لیے ایک مستقل مسئلہ بن گیا ہے۔

پیشہ ورانہ اور معاشرتی حالات کی پیچیدگیاں

ہر نسل جلد یا بدیر اس نتیجے پر پہنچ جاتی ہے کہ زندگی گزارنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ روز بروز دشوار تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ خیال کسی حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کام کرنے کے طریقے واقعی بڑھ رہے ہیں اور پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ ہم نئے قوانین' نئے مراسم اور نئے ممنوعات کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ پیچیدگی اس طرح بڑھتی ہے کہ پرانی باتیں ختم ہونے سے قبل نئی باتیں آ کر ان میں مخلوط ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقت نئی باتیں پرانی باتوں کی بنیاد پر استوار ہوتی ہیں۔ زیادہ عرصے کی بات نہیں جب ایک شخص موٹر میں سوار ہو کر اطمینان سے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جاتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ٹریفک کے اشارات آ گئے اور کئی سہولتوں کے ساتھ ساتھ تکلفات بھی آئے۔ اب ہر شہر کے سامنے ٹریفک کی رکاوٹیں ہیں اور وہ صرف سبز رنگ کے اشارے کی سمت میں گاڑی لے جا سکتا ہے۔ بعض اشارات سیدھے جانے کی ہدایت کرتے ہیں اور اگر دائیں بائیں مڑنا ہو تو کسی اور نشان کی رہنمائی کی ضرورت ہے یا پھر ایسے اشارات ہیں جو شام کے ساڑھے چار بجے سے چھ بجے تک کام کرتے ہیں۔ ہم گلیوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ ان پر اکثر ''بائیں طرف چلو'' کے بورڈ آویزاں ہوتے ہیں کتنے ہی ہوشمند ڈرائیوروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ ایسے اچانک موڑوں کی طرف خلافِ توقع مڑ جاتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس کسی اسامی کا حاصل کرنا یا اس پر قائم رہنا ایسی ہی پیچیدگیوں کا حامل ہے۔ درخواستوں کے فارم' کسی یونین کی ممبری کے قواعد' انکم ٹیکس کی کٹوتی وغیرہ آج

کل ہر آسامی کے لیے خصوصیات بن گئی ہیں۔ ادھار خرید سامان' بینکنگ' بیمہ' معاشرتی جماعتیں اور بہت سی ایسی ہی باتوں نے خود کفیل زندگی کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ایسے بالغ آدمی کو جو پسماندہ ہو ان تمام باتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اکثر بالغوں کے لیے روزمرہ زندگی کی پیچیدگیاں ان کے سکول یا کالج کے نصاب میں شامل کر لی جاتی ہیں۔ سکول کے باہر مشق کرنے سے طریق کار میں ہوشیاری پیدا ہوتی ہے۔ اگر پبلک سکول میں اس صورت حالات سے عہدہ برآ ہونے کی' تیاری نہ کرائی جائے تو پسماندہ کو دوہری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان میں وہ معلومات بھی شامل کی جاسکتی ہیں۔ جو پختہ عمر کے ذہنی پسماندہ لوگوں کو برسرکار دیکھنے سے حاصل ہوئی ہیں۔ آسامیوں کے ساتھ جو مراسم وابستہ کر دیئے گئے ہیں وہی پسماندہ لوگوں کے لیے رکاوٹیں بنتے ہیں۔ انہیں مختلف اوقاتِ کار اور طریق کار سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ غلطیاں ہوں تو ساتھی مذاق اڑاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پسماندہ انسان اسی طرح معاشرے میں جذب ہونے سے گھبرانے لگتا ہے جس طرح مدرسے کی جماعت میں گھبراتا ہے۔

اس سے مدرسے کے حصہ' کارکردگی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ یعنی پیشہ ورانہ اور معاشرتی ارتباط کے لیے بنیادی تربیت پسماندہ بچوں کے نصابِ درسگاہ کا لازمی جزو ہونی چاہیے۔

مدرسے سے متعلق مسائل

قابل تعلیم پسماندہ بچوں کو باقاعدہ درجات میں تعلیم دینے کے متعلق استاد کے تعمیری حصے کی اہمیت واضح کر دی گئی۔ یقیناً یہ معلوم کر لینا آسان ہے کہ ان بچوں کے لیے کیا کرنا چاہیے اور کیوں؟ لیکن یہ کہ اس پر عمل کس طرح کیا جائے زیادہ مشکل ہے۔

پسماندہ بچوں کی تربیت میں جو حالات دشواریاں پیدا کرتے ہیں وہ یا تو افرادِ جماعت کے انفرادی اختلافات کا مجموعہ ہوتے ہیں یا معیاری نصاب سے پیدا شدہ دباؤ کا باعث یہ سب باتیں مل کر کسی خاص طرزِ عمل کے مقابلے میں استاد کے لیے مشکل بن جاتی ہیں کیونکہ جماعت میں ترقی سے حدود اختلاف میں بتدریج اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے دباؤ اور مجبوریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ جوں جوں جماعت تعلیم اور اس کے اثرات میں ترقی کرتی ہے مختلف موضوعات کو سمجھنے میں پسماندہ بچے کی قابلیت کی کمی واضح ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ تیسرے درجے میں اور اس کے بعد استاد کو بیک وقت دو محاذوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جماعت کی اکثریت تو اپنے معیاری کام اور نصاب میں مشغول رہتی ہے لیکن پسماندہ بچہ ابتدائی سطح کے کام ہی میں الجھا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ پانچویں درجہ میں پہنچنے تک وہ باقی جماعت سے عملی طور پر تین یا چار درسی سال پیچھے رہ جاتا ہے۔

ان دو محاذوں کا بیک وقت مقابلہ کرنے کے لیے جو بنیادی مشکلات استاد کے سامنے آتی ہیں ان کا حل صرف بردباری اور ایماندارانہ کوشش ہے۔ یہ کام اکثر ہمت شکن ہوسکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ استاد کی توقعات تمام شاگردوں کے بارے میں یکساں ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو استاد تعلیمی معیار میں ترقی کے عادی ہوتے ہیں وہ پسماندہ طلبہ کے بارے میں یکساں اعلیٰ توقعات قائم کر لیتے ہیں۔ لیکن جہاں یہ ضروری ہے کہ تعلیمی استعداد کا ضرورت سے کم اندازہ نہ کیا جائے وہاں استاد کو لازماً سمجھ لینا چاہیے کہ پسماندہ بچے کی معاشرتی تربیت بھی ویسی ہی اہم ہے۔ اس اعتبار سے پسماندہ شاگرد کے لیے درسی استعداد بجائے خود نصب العین نہیں رہتی بلکہ کسی دوسرے نصب العین کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

استاد کو چاہیے کہ حتی المقدر پسماندہ بچے کو درسی استعداد بڑھانے میں مدد دے۔ پھر اس استعداد سے حل مسائل میں کام لینے کے لیے معاون بنے۔ ایسا کرنے کے

لیے بہت سے اساتذہ کو پڑھائی اور ریاضی کے معاملے میں اپنا نقطۂ نظر وسیع کرنا پڑے گا۔ پڑھائی صرف کتب نصاب تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیے۔ مثلاً مطالعہ کو اخبارات کے موزوں حصوں یعنی ملازمتوں یا خرید فروخت کے اعلانات تک بڑھایا جاسکتا ہے کسی اشتہاری تصویر سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا بھی دراصل ایک طرح کا مطالعہ ہی ہے حساب بھی اسی طرح کے اصول پر مبنی ہے۔ اس میں بعض خاص چیزیں یعنی گنتی' پیا جات وغیرہ بار بار یاد کرنا ہوتے ہیں۔ تاکہ ذہن نشین ہو جائیں ریاضی میں مقدار اور دیگر مختلف قسم کے تصورات بحث وعمل کے ذریعے سیکھے جاسکتے ہیں۔ ان میں نقدی وقت' جسامت' مسطحات اور ایسے ہی دوسرے موضوعات بھی شامل ہوتے ہیں۔ جن جاننا ایک بالغ کے لیے ضروری ہے۔

مدرس کے لیے سب سے مشکل کام فالتو وقت نکالنا ہے۔ اس کے لیے تعلیم دے کے سوا اور کوئی مؤثر متبادل طریقہ نہیں۔ جو بچہ علیحدگی میں اپنی جگہ بیٹھ کر اپنی کتب پڑھ ہے وہ ہرگز اس تعامل کی متحرک قوت کو نہیں پاسکتا جو استاد اور شاگرد کے تعلقات میں نمایاں ہوتی ہے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جب کسی جماعت کا مدرس پسماندہ بچے پر محنت کرنے کے لیے وقت نکالتا ہے تو وہ اس شک میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ آیا یہ وقت د کارآمد بھی ہے؟ اس کا جواب واضح ہے۔ اگر استاد کی مساعی پسماندہ بچے کی ترقی میں اس قدر سود مند ہوں کہ وہ ترقی پا کر سن بلوغ کو پہنچے' معاشرہ میں اچھی طرح گھل مل جائے اور اسے کسی محتاج خانے میں جانے یا کسی اور طریقے سے معاشرے پر بوجھ بن کر رہنے کی ضرورت نہ پڑے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ استاد کا وقت ایک اچھی کوشش میں صرف ہوا۔

باقاعدہ اطاقِ درس میں پسماندہ طالب علم کے ساتھ مؤثر انداز میں محنت کا آغاز محض اس طرح ہوسکتا ہے کہ استاد طالب علم کو وہ تمام وقت دے دے جو اپنے فرائض کی انجام دہی سے بچا سکے۔ اس کے بعد بچے کو تعلیمی اور معاشرتی اعتبار سے بہتر بنا

ے لیے محنت کرنی ہوگی۔ اس مقصد کے لیے وقت نکالنے اور ان اسباق و تجربات کے
علق جو بچے کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی میں معاون ہوں' پروگرام مرتب کرنے کے
اتھ ساتھ سکول اور قوم کی دیگر خدمات کی طرف بھی رجوع کر سکتا ہے۔

ماندہ بچے کے لیے مجموعی انتظامات

تسلیم کرنا چاہیے کہ مدرس پسماندہ بچے کو باقاعدہ جماعت میں تعلیم دینے کے لیے
ب راہنما کی حیثیت ضرور رکھتا ہے لیکن اس کی ذات ایک مکمل اور مستقل دستورالعمل
یں ہے۔ استاد سے یہ توقع کرنا کہ وہ جماعت کی اکثریت کی تعلیمی ضروریات کے
لیے کافی ہے اور ان بچوں کی ضروریت کو بھی تنہا پورا کر سکے گا جو اونچی استعداد رکھتے
یں۔ محض ایک خیال ہے اس سلسلے میں بہتر اور موزوں تر طریق کار یہ ہے کہ استاد
ہاں ضروری سمجھے اپنی خدمات پیش کرے اور اپنے کام میں امداد کی خاطر دیگر ماہرین کو
ب کرے۔ یہ ماہرین دوسری درسگاہوں سے متعلق ہو سکتے ہیں اور جب کوئی طالب
م ملازمت کی طرف رجوع کرے تو محکمہ آبادکاری یا اسی قسم کے دوسرے اداروں سے
ہرین کو بلایا جاسکتا ہے۔ تجربہ اور تحقیق ظاہر کرتے ہیں کہ استاد کا کام معلومات اور
ہنمائی کی خاطر ان ذرائع کو اکٹھا کرنا ہے۔ ابتدائی مدرسے میں آرٹ' طبعی تعلیم اور
وسیقی کے ماہرین سے امداد کی توقع رکھنے میں استاد ہر طرح حق بجانب ہوتا ہے۔
سے چاہیے کہ ان ماہرین کو پیش کرنے کے لیے طلبہ کی صلاحیتوں اور خامیوں کے
رے میں پوری معلومات رکھتا ہو۔ یہ حقائق متخصص کے لیے اعانت کا باعث ہوں گے
ردہ بچے کو پوری جماعت کی سرگرمیوں میں شرکت کے لیے موزوں بنا دے گا۔ یوں
بچے اور پوری جماعت دونوں کو فائدہ پہنچے گا۔

لائحہ عمل کی تبدیلیاں

پس ماندہ بچوں کی ترقی کی خاطر ماہرین تعلیم کی خدمات کے پروگرام بنانے
رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ رجحان دیہات اور کم گنجان آبادی میں کم دکھائی د
ہے کیونکہ وہاں ماہرین کو استادوں کی کمی اور جگہ کی تنگی محسوس ہوتی ہے یا شاگرد اتنی کا
تعداد میں نہیں ہوتے کہ خاص جماعت کا اہتمام ہو سکے۔ بعض علاقوں میں اساتذہ ک
کمی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے دو نئے طریق کار ترکیب پا رہے ہیں جو یہ ہیں۔

(الف) باہر سے آنے والے استاد

(ب) امدادِ باہمی کا دستور۔

باہر سے آنے والے اساتذہ کی اہمیت اس موضوع ہی سے ظاہر ہے اور اس پ
ان علاقوں میں عمل ہو رہا ہے جہاں آبادی دور دور ہے اور تعلیمی یونٹ مختصر ہیں۔ باہ
سے آنے والے اساتذہ کی خدمات بالعموم صوبجات یا دیگر بڑے بڑے علاقوں مې
حاصل کی جاتی ہیں۔ ایسے استاد کا پہلا وظیفہ یہ ہے کہ قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں ک
تعلیمی اور معاشرتی مقام کا جائزہ لے اور دیکھے کہ باقاعدہ جماعت میں ان کا درجہ ک
ہوسکتا ہے۔ اس طرح وہ کام زیادہ سرانجام دے جو ماہر نفسیات انجام دے چکا ہے۔ ی
معلومات حاصل کر چکنے کے بعد باہر سے آنے والا استاد مقامی مدرس کے ساتھ مل کر
بچوں کے لیے طریق کار مقرر کر سکتا ہے۔ مختلف حالات میں دونوں استادوں کے لیے
ممکن ہے کہ ذمہ داری میں شریک ہوں۔ باہر سے آنے والے استاد کا حصہ کار یہ ہے
کہ وہ جماعت کے عام مدرس کے کام میں ہاتھ بٹانے کے لیے شاگرد کے ساتھ
انفرادی طور پر محنت کرے۔ یہ طریق اس وقت اور بھی زیادہ ضروری ہوتا ہے جب بچہ
واضح طور پر بہت ہی غبی اور پسماندہ ہو۔

اگرچہ ابھی باہر سے آنے والے استاد کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ تاہم

س طریق کار میں کافی ترقی کی امید پائی جاتی ہے۔ نیز استاد کو خود اپنی ہی بنائی ہوئی
ز کیبوں پر کاربند رہنے کے لیے چھوڑ دینے کے بجائے یہ بدر جہا بہتر ہے۔ باہر سے
آنے والے استاد کے پروگرام کی سب سے بڑی اہمیت اس استاد کی علمی استعداد اور
نجربہ میں ہوتی ہے۔ اس قسم کے پروگرام استاد کو پسماندہ بچوں' ان کے مسائل اور
جماعت میں ان مسائل کے اثرات کے بارے میں کافی حد تک باخبر رکھتے ہیں۔ سب
سے بڑی بات یہ ہے کہ مہمان استاد کو طریق کار ایجاد کرنے اور اس پر عمل کرانے میں
ماہر ہونا چاہیے۔ امدادِ باہمی کے جو حلقے جو بعض ریاستوں میں اختراع کیے گئے ہیں
دیہاتی درس گاہوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ بعض ریاستوں میں دیہاتی سپرنٹنڈنٹوں کا
فرض ہے کہ جن علاقوں میں طلباء کی تعداد کم ہو وہاں خاص جماعتوں کا اہتمام کرے۔
بعض ریاستیں ایسی بھی ہیں جہاں اس امکان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لٰہذا علاقائی
ضرورتیں پوری کرنے کے لیے بہت سے ہمسایہ اضلاع کو ملا کر جماعتوں کو ترتیب دے
دیا گیا ہے۔ تا کہ وہاں سب جگہوں سے ذہنی پسماندہ قابل تعلیم بچوں کو بھیجا جائے۔
خصوصیت یہ ہے کہ یہ تمام اضلاع مل کر ان جماعتوں کے کل اخراجات کے علاوہ
پروگرام کے سربراہ کے اخراجات بھی برداشت کرتے ہیں۔ چند ایک ریاستوں نے اس
علاقائی امدادِ باہمی کی تجویز کے فوائد کا اعتراف کیا اور ان کے انتظامیہ یا آمدورفت کے
اخراجات میں امداد کا بیڑ اٹھایا ہے۔ علاقائی امدادِ باہمی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ
اس طرح ان پسماندہ بچوں کے لیے خاص جماعتوں میں تعلیم کا انتظام اس پیمانے پر
ہوتا ہے جس کا بڑے علاقوں کے بچوں کے لیے ہوتا ہے۔ ان جماعتوں کے لیے
ضروری ہے کہ حکومت کا منظور شدہ ہر معیار قائم رکھیں۔ یوں اس امر کا مزید یقین ہو
جائے گا کہ قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کے لیے اس قسم کی تعلیم کا انتظام ضرور ہوگا جس
کی انہیں ضرورت ہو۔

استاد کے لیے معیار تشخیص

مدرس کو یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ اس کے حسن کارکردگی کا اندازہ کسی بیرو
جانچ پڑتال سے کیا جائے گا۔ اس کا اپنا تجربہ اور اپنی بصیرت کو تشخیص کے سلسلے می
بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ایک عام جماعت میں پسماندہ بچے کی ترقی اور اس ک
معیار کے تعین کے لیے استاد کی امداد کی خاطر مندرجہ ذیل نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

1- قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کے معیار کا تعین ان کے ذہنی معیار کے مطابق ا
کی سطح کارکردگی کے پیش نظر کرنا چاہیے اور انہیں باقی جماعت کے لیے مقرر کر
معیار پر نہ جانچا جائے کیونکہ ممکن ہے ایک پسماندہ بچہ اپنی پوری صلاحیت ک
مطابق محنت کرتا ہو پھر بھی ترقی کے میدان میں باقی طلباء سے بہت پیچھے ر
جائے۔

2- قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کو ایسے تعلیمی پروگرام پر لگایا جائے جو ایک صحت م
معاشرتی اور جذباتی فلاح سے مطابقت رکھتا ہو۔ یہ امور بچے کی استعداد کی تشخیص
کے لیے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کو تعلیمی قابلیت کے عوض نظر انداز ن
کرنا چاہیے۔ دراصل بعض دانشور اس خیال کے مؤید ہیں کہ قابل تعلیم ذہین
پسماندہ بچوں کی ترقی کے لیے معاشرتی اور جذباتی کیفیات کن شعور پیدا ہونا بڑ
نصب العین ہے۔ تعلیمی ترقی اس منزل تک پہنچنے کا صرف ایک ذریعہ ہے۔

3- دیکھا جائے کہ بچہ سکول کے بارے میں کیا محسوس کرتا ہے۔ آیا وہ ذمہ داریوں
سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور آیا کمزوریوں کے باوجود وہ اپنے
حلقۂ احباب میں مقبول ہے؟ قابل تعلیم اور ذہنا پسماندہ بچے کا خود اپنا درجہ متعین
کر لینا استاد کی تشخیص کا ایک پہلو ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو استا
ایک پسماندہ بچے کو باقی طلباء میں شامل کرنے کے قابل ہو تو اس کی کارکردگ
جماعت اور پسماندہ بچہ دونوں کی ترقی کے سلسلے میں مؤثر ثابت ہوگی۔ حد سے
بڑھی ہوئی محرومیت کے خلاف احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ پسماندہ بچے کی ترقی ک
ایک باقاعدہ ریکارڈ مفید مطلب امتحانوں اور واقعات کی مطابقت سے رکھ

جائے۔ ہر ریکارڈ سہو ونسیان کی لغزشوں سے محفوظ رکھے گا۔

بعض بچوں کے سلسلے میں ترقی اس قدر سست ہوتی ہے کہ تھوڑے وقفے کے بعد تجزیہ سے محسوس ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اندازے کے لیے لمبا وقفہ مقرر کیا جانا ضروری ہے اور ریکارڈ اس سلسلے میں ہر ممکن امداد کا باعث ہوگا۔ اگر تبدیلی اور تحصیل کی رفتار سست اور خفی ہو تو اساتذہ کو مایوس نہ ہونا چاہیے۔ شرح تبدیلی وترقی حقیقت میں ذہنی صلاحیت کی مطابقت پر منحصر ہے۔ استاد کی کوشش کے اہم اور امید افزا نتائج ہر طرح سودمند تبدیلیوں کے مظہر ہوں گے۔

کند ذہن بچے کی
ابتدائی تعلیم

پیش لفظ

بچوں کی ذہنی نشوونما میں کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے' اگر کوئی بچہ کند ذہن ہو تو وہ کون سے طریقے ہیں جن سے ماں باپ ایسے بچوں کے ذہنوں کو تیز کر سکتے ہیں' ان مسائل کے بارے میں اس مختصر سے کتابچے میں چند بہت ضروری باتوں پر بحث کی گئی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں تو بچوں کی ذہنی نشوونما اور صحت کے لیے بڑے وسیع پیمانے پر کام ہو رہا ہے۔ وہاں بڑے بڑے ماہرین نے اسی مقصد کے لیے زندگیاں وقف کر رکھی ہیں اور ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ ملک میں اگر ایک بھی بچہ کند ذہن رہے تو اس سے ملک کو بے اندازہ نقصان پہنچے گا۔

ہمارے یہاں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر بچہ کند ذہن ہو تو یہ قدرت کی طرف سے ہوتا ہے چنانچہ ہزاروں بلکہ لاکھوں بچے ایسے ہوں گے جنہیں لا علاج سمجھ کر ان کی ذہنی نشوونما کی طرف سے بے توجہی برتی جاتی ہے حالانکہ قدرت کا یہ منشا نہیں ہے۔ اگر ماں باپ یا استاد بچے کے دل و دماغ میں نئی امنگ اور لگن پیدا کریں تو کوئی بھی کند ذہن نہ رہے۔

وہ طریقے کیا ہیں' ان صفحات میں یہی بتایا گیا ہے۔ امریکی ماہروں نے تو اپنے ملک کی فضا اور حالات کے مطابق ہی تحقیق کی ہے مگر ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ ان کے تجربات کو پاکستانی ماحول کے مطابق پیش کیا جائے۔ انسان اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایک ہی ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی ملک میں رہتا ہو' صرف تہذیب و تمدن

کے فرق سے طور طریقے بدل جاتے ہیں' اس لیے یہ تجربات پاکستانی قارئین کو نامانوس معلوم نہیں ہوں گے۔

امریکہ میں تو ایسے ادارے بھی موجود ہیں جن میں کند ذہن بچوں کا بڑی احتیاط اور خلوص سے نفسیاتی علاج کیا جاتا ہے اور ماں باپ کو ایسی ہدایات دی جاتی ہیں جن پر عمل کر کے وہ بچے کو ذہنی طور پر صحت مند بنا سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں ابھی ایسے ادارے نہیں ہیں تاہم وہاں جو تحقیق کی گئی ہے اور جس قسم کے نتیجے اخذ کئے گئے ہیں ان سے ہم اب بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اس کتابچے کی مصنف مارگریٹ ہل امریکہ کی ایک روشن دماغ خاتون ہیں اور وہاں کے بچوں کے ایک ادارے کی سربراہ بھی ہیں۔ آپ کند ذہن بچوں کو اوسط درجے کے بچوں کی صف میں لانے کے لیے سالہا سال سے جدوجہد کر رہی ہیں اور خود کو ان کی تعلیم اور نگہداشت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔

ذہنی نقص

بروس کے ماں باپ پڑھے لکھے لوگ تھے اس لیے جب ڈاکٹر مائنز نے بروس کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ کُند ذہن ہے تو ان کو بڑا صدمہ ہوا۔ ان کا دل یہ بات نہیں مانتا تھا کہ ان کا بیٹا کُند ذہن ہے! وہ حیران تھے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کا بیٹا کُند ذہن ہو!

لیکن ڈاکٹر نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگرچہ ان کے دونوں بیٹے جڑواں ہیں لیکن ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نہ صرف یہ کہ دونوں کی شکلیں نہیں ملتیں، دونوں کی شخصیتوں میں بھی بڑا فرق ہے۔

جوں جوں دونوں بچے بڑے ہوتے جا رہے تھے یہ فرق نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔ بڑے بوڑھے سچ کہا کرتے تھے کہ بچہ پنگوڑے ہی میں پہچان لیا جاتا ہے۔ بروس اور جم دونوں جڑواں بھائی تھے لیکن بروس کُند ذہن، پھسڈی، خاموش طبع، سست اور شرمیلا تھا۔ اس کے برعکس جم شروع ہی سے تیز طرّار، زیرک، ہنس مکھ، باتونی، پھرتیلا اور ملنسار تھا، یعنی ذہنی و جسمانی نشوونما کی ساری خوبیاں اس میں موجود تھیں۔

بروس کے ماں باپ نے بڑی کوشش کی کہ اس میں بھی یہ خوبیاں پیدا ہو جائیں لیکن بات بنتی نظر نہ آئی۔ ڈاکٹر مائنز نے انہیں بتایا۔ ''یہی وجہ ہے کہ انہیں نشوونمائی ہنرمندیاں کہتے ہیں۔ بچہ ان پر اسی وقت قادر ہوتا ہے جب وہ ذہنی و جسمانی طور پر تیار ہو جائے۔ اس سے پہلے یہ ہنرمندیاں ممکن نہیں ہوتیں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جب بچہ تیار ہو جائے تو ذہنی و جسمانی نشوونما کے اس مرحلے میں داخل نہ ہو۔'' انہوں نے یہ بھی

بتایا کہ ان ہنرمندیوں کا ذہانت سے بڑا قریبی تعلق ہوتا ہے چنانچہ ہوسکتا ہے کہ بروس کا ذہن سست ہو۔ تاہم انہوں نے یہ بات واضح کر دی کہ کوئی سے دو بچوں کی نشوونما بھی ایک ہی طرح نہیں ہوا کرتی۔ دو سگے بھائیوں میں بھی ذہنی اور جسمانی طور پر کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ بعض بچوں کے ذہن دیر میں کھلتے ہیں یعنی شروع میں وہ اوسط درجے کے بچے کی نسبت زیادہ دیر میں نشوونما پاتے ہیں لیکن چند سال کے اندر اندر وہ اپنے ہم عمروں کے برابر پہنچ جاتے ہیں۔

بروس کے ماں باپ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا کند ذہن رہے' انہوں نے شروع ہی میں ڈاکٹر سے مشورہ کر لیا۔ ابھی دونوں جڑواں بچوں کی عمر دو ہی برس کی تھی کہ ان میں فرق ظاہر ہونے لگا۔ جم تڑاق پڑاق باتیں کرنے لگا مگر بروس منہ سے بولتا ہی نہ تھا۔ ڈاکٹر نے بچوں کا شہر کے بڑے ہسپتال میں امتحان کرانے کا انتظام کیا جس میں ذہنی نیز جسمانی امتحان کا ساز و سامان موجود تھا۔

معائنے کے بعد ماہرین نے یہ فیصلہ دیا کہ جہاں تک عام صحت کا تعلق ہے' دونوں بچے بالکل تندرست ہیں البتہ بروس کے ذہن کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ذہن کے کسی پردے میں اعصابی نقص موجود ہے۔ ذہنی نشوونما کے حساب سے اس کا بھائی جم اوسط درجے سے زیادہ ذہین تھا اور بروس اوسط درجے سے بہت کم تھا۔

ڈاکٹر نے اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ فیصلہ آخری نہیں ہوسکتا۔ بچے کا دماغ ایک ایسی لطیف چیز ہے کہ اس کے معاملے میں ڈاکٹر بھی غلطی کر سکتے ہیں لیکن علاج میں غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ ماہر نفسیات نے بروس کے والد سے کہا کہ وہ بروس کو ذہنی طور پر ناقص ہی سمجھیں۔ البتہ دوسرا بچہ جم ذہنی نشوونما کے اعتبار سے معمول کے مطابق ہے۔

درجۂ ذہانت کے معنی

ماہر نفسیات نے بروس کے باپ کو یہ بھی بتایا کہ اس وقت اس بچے کے ذہن کی

کارکردگی اتنی ہی ہے جتنی ڈیڑھ برس کے اوسط درجے کے بچے کے ذہن کی ہوتی ہے' چنانچہ اس کی ذہنی صلاحیتوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اوروں کے مقابلے میں 75 فیصد ہیں۔

اس ماہر نے بروس کے ماں باپ کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ جہاں تک نفسیاتی تحقیق کا تعلق ہے اس کے مطابق بروس کی ذہنی قابلیت بھی 75 فیصد ہوگی۔ ذہنی طور پر صحت مند بچوں میں یہ قابلیت سو فیصد ہوتی ہے۔ البتہ بچے کے معائنے کے وقت اس کی ذہانت کا جو درجہ مقرر کیا جائے ضروری نہیں کہ بچے کی نفسیاتی حالت اسی درجے پر قائم رہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کے دوسرے ہی دن یا اگلے برس یا کسی اور معائنے کے وقت درجۂ ذہانت کچھ اور ہو جائے۔

بروس کے باپ نے کہا "تو پھر معائنے کا فائدہ کیا؟"

ماہر نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ "معائنہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ ایک سرسری سا اندازہ ہو جائے کہ بچہ کسی نہ کسی وقت اوسط درجۂ ذہانت حاصل کر سکتا ہے یا نہیں یا آیا اس کا ردِعمل ایک خاص وقت کے بعد اوسط درجے سے کم ہوگا یا زیادہ۔ اس اندازے سے بچے کے ماں باپ یا استادوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پر کتنا بار ڈالنا چاہیے اور اس کی تعلیم کے لیے کیا منصوبے بنانے چاہئیں۔ صرف ایک معائنے کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے' البتہ اگر متواتر کئی سال تک معائنے کا نتیجہ ایک سا نکلتا رہے تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کا ایک بچہ جم تو مدرسے میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ چل سکے گا لیکن دوسرا بچہ بروس ان سے پیچھے رہے گا۔"

بروس کے باپ نے پوچھا "لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

ماہر نفسیات نے جواب دیا۔ "کسی بچے کے کند ذہن ہونے کی سینکڑوں وجوہ ہو سکتی ہیں لیکن اکثر اوقات اس امر کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ بچہ سیکھنے کے معاملے میں معذور کیوں ہے۔ کم از کم بروس کے معاملے میں ڈاکٹر قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس

کی والدہ کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ پیدائش کے لحاظ سے بچے میں کوئی خامی یا بیماری نہیں ہے۔ بعض بچے بالکل ہی کند ذہن ہوتے ہیں اور انہیں نیم پاگل پن یا دماغ میں پانی پڑ جانے کی بیماری ہوتی ہے' لیکن بروس کو ایسی کوئی بیماری نہیں ہے۔ بروس اور جم دونوں جڑواں بچے ہیں۔ بروس بعد میں پیدا ہوا' اس لیے ہوسکتا ہے کہ پیدائش کے وقفے میں اس کے دماغ کو پوری طرح آکسیجن میسر نہ آ سکی ہو۔ لیکن یہ سب قیاس ہی قیاس ہے۔ ماہرین فیصلہ کن طریقے سے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ بروس کند ذہن اور غبی کیوں ہے۔''

مگر بروس کا باپ اب بھی اپنی اس بات پر اڑا رہا کہ بروس کند ذہن نہیں ہے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ اس کے سارے خاندان میں کبھی کوئی کند ذہن بچہ نہیں ہوا اور وہ خود بھی کند ذہن نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کا بچہ کند ذہن ہو۔ اس بنا پر وہ یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ بروس کند ذہن ہے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ شاید بروس کسی بیماری میں مبتلا ہے۔

ماہر نفسیات نے بروس کے باپ کو بتایا ''سب کند ذہن بچوں کے ماں باپ آپ ہی کی طرح سوچتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ صحیح وجہ تو کوئی نہیں بتا سکتا۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ایسے ایک سو بچوں میں سے تین بچے ذہنی طور پر معذور ہوتے ہیں اور ان میں سے نصف سے زیادہ پیدائشی طور پر نہیں بلکہ کسی حادثے' بیماری' ماں باپ کی بے قاعدگیوں یا کسی نامعلوم وجہ سے ایسے ہوتے ہیں۔''

بروس کی ماں بھی شوہر کے پاس بیٹھی یہ باتیں سن رہی تھی۔ اس نے آنسو پیتے ہوئے ماہر نفسیات سے پوچھا ''کیا اب ہمیں بروس کو کسی دماغی ہسپتال میں داخل کرنا پڑے گا؟''

ماہر نفسیات نے جواب دیا۔ ''بالکل نہیں۔ جو بچے ذہنی طور پر پسماندہ ہوتے ہیں ان کے لیے دماغی ہسپتال کی نہیں بلکہ اپنے ہی گھر میں ایسے ماحول کی ضرورت ہوتی

ہے جس میں یہ اور بچوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں۔ بروس کو اپنے ماں باپ اور بھائی بہن ہی کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ گھر میں بروس کی ذہنی پسماندگی کے باوجود اس سے دوسرے بچوں جیسا سلوک کیا جائے اور گھر کا کوئی فرد اسے کبھی یہ طعنہ نہ دے کہ وہ کند ذہن ہے۔ اسی طرح اس کا اور بچوں کے ساتھ تقابل بھی نہ کیا جائے تا کہ اس میں احساس کمتری پیدا نہ ہو۔ اگر آپ لوگ پورے خلوص سے بروس کو اس حالت میں قبول کر سکتے ہیں تو یقیناً یہ بچہ ایک دن اپنی صحیح حالت پر آ جائے گا۔"

بروس کی ماں نے کہا "میرا بچہ اگر پاگل بھی ہو تو میں اسے کلیجے سے لگا کر رکھوں گی۔"

کند ذہنی کے درجے

ماہر نفسیات نے بروس کے ماں باپ کو بتایا کہ کند ذہنی کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا "بعض اوقات ایسے بچوں کو جو حد سے زیادہ کند ذہن ہوں اور جن کی دیکھ بھال میں ماں باپ کو بہت زیادہ کوفت ہوتی ہو یا وہ غضبناک ہو کر انہیں مارتے پیٹتے ہوں، ذہنی علاج گاہوں میں داخل کرنا ضروری ہوتا ہے، لیکن اگر ماں باپ یہ فیصلہ کریں کہ وہ اپنے بچے کی ذہنی پسماندگی کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے اور اس سے ایسا سلوک کریں گے کہ وہ خود کو گھر میں اجنبی محسوس نہ کرے بلکہ مطمئن اور خوش و خرم رہے تو پھر کسی علاج گاہ میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بروس کے باپ نے کہا "ہم بروس کو گھر پر ہی رکھیں گے لیکن ہمیں یہ بتایا جائے کہ وہ کون سے طریقے ہیں جن سے ہم اس کو صحیح قسم کی زندگی بسر کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

ماہر نفسیات نے جواب دیا "آپ اس بچے کی مدد صرف اس طرح کر سکتے ہیں کہ

اسے حسب معمول روزمرہ زندگی بسر کرنے دیں۔"

بروس کے باپ نے ذرا تلخ لہجے میں پوچھا: "کس حد تک حسب معمول؟"

"اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ ــــ"

"کس بات پر؟" بروس کے باپ نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا انحصار کئی ایسی باتوں پر ہوگا' جیسے بروس کی ذہنی نشوونما کا انداز اور وہ خاص قسم کی خوبیاں جن کا یہ گاہے گاہے اظہار کرے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کند ذہن بچوں میں' بعض شعبوں میں' اور بچوں سے زیادہ خوبیاں ہوتی ہیں۔ بروس پر کامیابی کا راستہ صرف اس وقت کھل سکتا ہے جب اسے یہ احساس ہو کہ لوگ اس کے متعلق کیا سوچتے ہیں اور وہ اپنے متعلق کیا سوچتا ہے اور یہ بات صرف تعلیم سے پیدا ہوگی۔"

بروس کے باپ نے تعجب سے پوچھا: "تعلیم؟" کیا کند ذہن بچے کو بھی تعلیم دی جاسکتی ہے؟"!!!

"ہاں۔ یقیناً۔ میں اس کے بارے میں آپ لوگوں سے زیادہ تفصیل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ مہربانی کر کے ایک مہینے بعد مجھ سے ملاقات کرنے کی زحمت گوارا فرمایئے!"

بروس کے باپ نے آنے کی حامی بھرلی۔

ماہر نفسیات کو اس بات کا علم تھا کہ بروس کے ماں باپ کو بڑا صدمہ پہنچا ہے' اپنے بچے کی اس خامی پر وہ بہت ہی جذباتی ہو کر رنج وغم کا اظہار کریں گے بلکہ جذباتی یا شاید جسمانی طور پر علیل بھی ہو جائیں اور مہینہ بھر تک بڑی تلخی کے ساتھ سوچتے رہیں کہ ان پر یہ مصیبت کیوں نازل ہوگئی' تاہم شروع میں یہ ذہنی کوفت محسوس کرنے کے بعد ایک مرحلہ ایسا آئے گا جب وہ یہ معلوم کرنے کے خواہشمند ہوں گے کہ ایسا کون سا طریقہ ہوسکتا ہے جس سے وہ اپنے بچے کا علاج کریں اور نفسیاتی طور پر وہی موقع ہوگا

جب وہ ان کی مدد کرنے کے قابل ہوگا۔

اس نے چلتے وقت بروس کے باپ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ایسے لوگوں سے کبھی کبھی ملتا رہے جن کے بچے کبھی کند ذہن تھے یا اب ہیں' لیکن اس کے باوجود خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔

تعلیم ایک انفرادی معاملہ ہے

ایک مہینے کے بعد جب بروس کے ماں باپ ماہر نفسیات سے ملے تو وہ پہلے جتنے پریشان تو نہیں تھے' لیکن یہ معلوم کرنے کے خواہاں ضرور تھے کہ بروس کو اچھا کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

ماہر نفسیات نے ان سے سب سے پہلے بات یہ کہی کہ وہ اپنے بچے کو ایک بچہ ہی سمجھیں' کند ذہن بچہ نہ سمجھیں۔ اس نے کہا "کسی انسان کا نام اس کی کسی جسمانی یا ذہنی کمزوری پر نہیں رکھنا چاہیے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص لنگڑا' لولا' کانا' اندھا یا بڑے کانوں یا بڑی ناک والا ہو تو اسی جسمانی عیب پر اس کا نام رکھ لیا جاتا ہے۔ آپ بروس کو صرف ایک ایسا بچہ سمجھیں جسے ایک خاص مسئلہ درپیش ہے ورنہ وہ اور بچوں جیسا ہی ایک بچہ ہے۔ ویسی ہی جسمانی و ذہنی ضرورتیں اس کی بھی ہیں اور اس کے لیے بھی انہیں جیسا نظم و ضبط ضروری ہے۔ زندگی نظم و ضبط ہی کا دوسرا نام ہے۔ معاشرہ اس معاملے میں بروس سے رعایت نہیں کرے گا اور سب کی طرح کند ذہن افراد کو بھی عوام کے دلوں میں اپنے لیے جگہ بنانی ہوتی ہے اور اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ملنسار' ستھرے' ایماندار' قابل اعتماد اور محنتی ہوں۔ بروس کو بھی وہی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنی ہوں گی جن کے بل پر اور سب ترقی کرتے ہیں۔ آپ یہ بات کبھی فراموش نہ کیجئے کہ کند ذہن بچہ بالکل اور بچوں جیسا ہوتا ہے۔ اس کو اوروں کے برعکس ہرگز تصور نہ کرنا چاہیے۔"

بروس کے باپ نے کہا "ڈاکٹر صاحب! آپ کا بہت شکریہ!! میں آپ کی بات اچھی طرح سمجھ گیا۔ جب پچھلی بار ہم آپ سے ملنے آئے تھے تو آپ نے اس وقت بروس کی تعلیم کے بارے میں کچھ کہا تھا!"

ماہر نفسیات پہلے سے سمجھے ہوئے تھا کہ بروس کے ماں باپ کو جو اندیشہ ستا رہا ہوگا وہ یہ ہوگا کہ ان کا کند ذہن بچہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے گا' اس لیے اس نے لفظ "تعلیم" کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ صرف کتابیں پڑھ لینا تعلیم نہیں ہے بلکہ کوئی فن' ہنر یا ایسی باتیں یا طریقے سیکھنا' جن سے انسان اپنے ماحول میں اپنے لیے مناسب جگہ بنا کر آرام کی زندگی بسر کر سکے' یہ بھی تعلیم ہے۔

صحیح الذہن اور کند ذہن انسانوں کے سیکھنے کے طریقوں میں کیا کیا فرق ہوتے ہیں۔

ماہر نفسیات نے اس امر کی وضاحت کی کہ عام لوگوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے اس میں اور کند ذہن لوگوں کی تعلیم میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور یہ فرق ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ عام لوگوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے اس کے بھی تو مختلف درجے اور قسمیں ہوتی ہیں۔ ہا کی سیکھنے والے کو اس قسم کی تعلیم و تربیت نہیں دی جاتی جیسی جوہری توانائی کے طالب علم کو دی جاتی ہے۔

کسی کند ذہن بچے یا شخص کے لیے تعلیمی منصوبہ تیار کرنے کے لیے اس فرق کی نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے جو صحت مند ذہن کے انسانوں اور کند ذہن انسانوں کے سیکھنے کے عمل یا ڈھنگ میں ہوتا ہے۔ مثلاً

1- صحت مند ذہن دقیق اور مشکل باتیں بھی سوچ سکتا ہے یا جیسا کہ کسی نے کہا ہے' وہ کونوں کھدروں میں سے بھی بات کو ڈھونڈ نکالتا ہے مگر کند ذہن صرف موٹی اور آسان بات سمجھ سکتا ہے اس لیے کند ذہن بچے کی تعلیم کے لیے زیادہ تر اس کی حواس کی طاقتوں سے کام لینا ہوگا' جیسے دیکھنا' چھونا اور سونگھنا۔

2- صحت مند ذہن کی سطح کند ذہن کی سطح سے زیادہ بلند ہوتی ہے۔

3- صحت مند ذہن، کند ذہن سے زیادہ سیکھتا ہے۔

4- صحت مند ذہن، ناقص ذہن سے زیادہ جلدی سیکھتا ہے۔

5- کند ذہن انسان کی بہ نسبت ایک صحت مند ذہن کا انسان دلیل دینے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے کند ذہن بچہ معنی کی گہرائی تک پہنچنے کے بجائے صرف الفاظ رٹ کر سیکھنے کی کوشش کرے گا۔

6- صحت مند ذہن کا انسان سیکھنے کے دو طریقوں سے علم حاصل کرتا ہے، ایک رسمی تعلیم، دوسرا خود بخود سیکھنے کا جذبہ۔ کند ذہن بچہ خود بخود سیکھنے کے جذبے سے زیادہ کام نہیں لیتا۔

بروس کے باپ نے کہا: ''میں رسمی تعلیم اور خود بخود تعلیم کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔''

ماہر نفسیات نے مسکراتے ہوئے کہا: ''یہ اصطلاحیں میں نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں۔ شاید یہ موزوں ترین نہ ہوں لیکن ان سے میرا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ رسمی تعلیم سے میری مراد وہ تعلیم ہے جس میں ایک استاد ایک مضمون کے کچھ معین سبق طالب علم کو پڑھاتا ہے، یہ رسمی تعلیم ہے۔ اقلیدس ہو یا موسیقی، نقشہ کشی ہو یا دفتری خط و کتابت ہو ان سب کے لیے خاص قسم کے سبق بنا دیئے گئے ہیں۔

بروس کا باپ بولا: ''میں سمجھ گیا آپ کا مطلب! اور خود بخود تعلیم کا مفہوم کیا ہے؟''

ماہر نفسیات نے کہا: ''ہم بہت سی باتیں آپ ہی آپ سیکھتے رہتے ہیں۔ گویا ہم روزمرہ زندگی کی باتیں اور واقعات اسفنج کی طرح اپنے اندر جذب کرتے رہتے ہیں۔ کیسے؟ اخبار پڑھنے سے، ریڈیو سننے سے، ٹیلی ویژن دیکھنے سے، لوگوں سے ملنے جلنے سے اور کتابیں پڑھنے سے۔ اس ضمن میں مشاہدہ بڑا کام کرتا ہے۔ ہر سال ایک خاص موسم میں درختوں کے پتوں کا رنگ بدلتا ہے، ہر روز سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے

لیکن طلوع و غروب کے اوقات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ موسم کے ساتھ ساتھ آلۂ مقیاس الحرارت میں پارہ چڑھتا اور گرتا رہتا ہے۔ کند ذہن بچوں کے دماغ چونکہ اسفنج کی مانند علم حاصل کرنے کی اہلیت سے محروم ہوتے ہیں' اس لیے ہر چند ان کے سامنے روز زندگی کا چکر چلتا رہتا ہے لیکن وہ حالات کا اتنا مشاہدہ نہیں کرتے جتنا صحتمند ذہن کے بچے کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ماحول کو غور سے دیکھتے ہیں۔ کند ذہن بچے یہ دیکھتے ہی نہیں کہ درختوں کے پتوں کا رنگ بدل گیا ہے اور اگر یہ مشاہدہ کرتے بھی ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالتے کہ موسم بدل چکا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر آپ کو کسی کند ذہن بچے سے واسطہ پڑ جائے تو ہر معمولی سی معمولی بات بھی اسے سکھانی پڑے گی اور بچے جو باتیں از خود سیکھ لیتے ہیں انہیں وہ بھی رسمی تعلیم کے طور پر سکھانی ہوں گی۔ کند ذہن بچہ جس قدر زیادہ کند ذہن ہوگا اسی قدر وہ خود بخود حصولِ تعلیم کی اہلیت سے محروم ہوگا۔

کند ذہنی کی درجہ بندی

ماہر نفسیات نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کند ذہنی کی درجہ بندی اور تعلیم سے اس کے تعلق کی وضاحت کی۔ اس نے کہا ''عموماً کند ذہنی کے یہ تین درجے سمجھے جاتے ہیں (1) شدید قسم کی کند ذہنی (2) درمیانہ درجے کی کند ذہنی اور معمولی قسم کی کند ذہنی۔ بعض مستند اہل علم نے ان کے لیے (1) محتاج نگہداشت کند ذہنی (2) قابلِ تربیت کند ذہنی اور (3) قابل تعلیم کند ذہنی کی اصطلاحیں بھی استعمال کی ہیں مگر ان اصطلاحوں سے قطع نظر کند ذہن انسانوں کی ایک قلیل تعداد اس امر کی محتاج رہے گی کہ دوسرے عمر بھر ان کی دیکھ بھال کرتے رہیں یا یوں کہیے کہ وہ ہمیشہ اوروں کے دست نگر رہیں گے۔ ایسے کند ذہن بچوں کو رسمی تعلیم و تربیت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔

درمیانہ درجے کے کند ذہن بچوں کے متعلق یہ سمجھ لیجیے کہ انہیں سکھایا جا سکتا ہے۔ ان کی ذہنی عمر چھ سال سے لے کر نو سال تک کے بچوں جتنی ہوتی ہے۔ ایسے

بچے درسگاہی یا مکتبی تعلیم سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ ان کی تربیت آسان کاموں' معاشرتی عادتوں' خود کفالتی امور اور تسلی بخش سرگرمیوں ہی سے ہوسکتی ہے اور بعض حالات میں ''اپنی تھوڑی تھوڑی مدد آپ'' کرنا بھی سکھایا جاتا ہے' مگر اس طرح کہ ضرر نہ پہنچے اور سہارا دینے والے بھی ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ بروس کو کند ذہنی کے تیسرے درجے میں شمار کیا جاسکتا ہے' یعنی وہ معمولی درجے کا کند ذہن نکلا۔ اس درجے کے بچوں کو تعلیم دی جاسکی ہے اور ایسے بچوں کی ذہنی عمر نو اور بارہ برس کے درمیان ہو جانے کی توقع بھی کی جاسکتی ہے۔

بروس کے باپ نے یہ باتیں سننے کے بعد پوچھا: ''بروس کے سلسلے میں ہمارا نصب العین کیا ہونا چاہیے؟''

ماہر نفسیات نے جواب میں کہا: ''ابھی سے یہ فیصلہ کرنا قبل از وقت ہے کہ نصب العین کیا ہوگا البتہ یہ بات ہر وقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ کسی کند ذہن بچے کو اچھا کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں آرام دہ طریقے سے کھپ جائے۔ ایسے انسان کا ذہنی درجہ 50 سے کم ہوسکتا ہے یا یوں سمجھئے کہ جس انسان کا ذہنی درجہ ستر ہو' وہ اوروں کے ساتھ گزر بسر کرنے' اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے ناقابل ہوتا ہے۔''

بروس کا باپ متفکر نظر آ رہا تھا۔ کہنے لگا: ''فرض کیجئے بروس کا ذہن 9 سال کی عمر تک پہنچ کر بند ہو جائے تو کیا پھر یہ چوتھے درجے سے آگے تعلیم حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ تو بڑی خوفناک بات ہوگی!''

ماہر نفسیات نے کہا: ''اگر کسی بچے کی ذہانت اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ سیکھنا بند کر دے گا۔ جب آپ کی ذہنی اوسط عمر پندرہ سولہ برس کی ہوگئی تھی تو کیا اس کے بعد آپ نے سیکھنا بند کر دیا تھا؟

بروس کے باپ نے کہا: ''نہیں تو۔ لیکن-----''

ماہر نفسیات کہنے لگا: ''اس کی کوئی وجہ وجود نہیں ہے کہ آپ کا کند ذہن بچہ ایک خاص عمر کو پہنچ کر سیکھنا بند کر دے گا۔ فرض کیجئے وہ سات برس کی ذہنی عمر تک پہنچتا ہے۔ اس عمر میں وہ دوسری جماعت میں ہو سکتا ہے' اور آپ جانتے ہی ہوں گے کہ دوسری جماعت کا بچہ کیا کچھ سیکھ سکتا ہے۔ جب ذہنی عمر اپنی انتہا کو پہنچ چکتی ہے تو اس کے بعد وہ علم میں اضافے کے بجائے اپنے اردگرد کی چیزوں سے سیکھنے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر' میں سیکھنے کے معاملے میں ایک نابغہ کی سطح تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن میں اردگرد کی چیزوں کے علم سے اپنے ذہن کو سرگرم عمل رکھ سکتا ہوں۔''

بروس کے باپ نے کہا: ''لیکن آپ تو صحت مند ذہن کے انسان ہیں۔''

ماہر نفسیات بولا: ''کند ذہن انسان بھی سیکھنے کا عمل جاری رکھ سکتا ہے بشرطیکہ اسے کوئی سکھاتا اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہے۔''

اس ملاقات کے خاتمے پر ماہر نفسیات نے بروس کے باپ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے شہر میں کند ذہن بچوں کی تعلیم کے انتظامات کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔

کند ذہن بچوں کی درسگاہی تعلیم

ماہر نفسیات نے بتایا کہ عام مدارس میں تعلیم کے مختلف طریقے کیا ہیں۔ بعض چھوٹے شہروں بلکہ اکثر بڑے شہروں میں بھی کند ذہن بچوں کو باقاعدہ جماعتوں میں بٹھا کر اور بچوں کے ساتھ تعلیم دی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کند ذہن بچے اوروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض اتنی بار فیل ہوتے ہیں کہ ان کو ایک ہی جماعت میں برسوں لگ جاتے ہیں اور وہ تعلیم میں اپنے ہم عمروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ایسے بعض بچوں کو ان کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے رعایتی طور پر پاس بھی کر دیا جاتا ہے لیکن وہ قابلیت کے اعتبار سے صفر ہی رہتے ہیں اور بالآخر ایک وقت ایسا

آتا ہے کہ بغیر تعلیم مکمل کیے مدرسہ چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ادنیٰ درجے کے شہری بن کر رہ جاتے ہیں۔

بعض ماہرین کی رائے یہ ہے کہ کند ذہن بچوں کا تعلیمی نصاب ان کے ذہنی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے تاکہ ان میں سے ہر بچہ اپنی فطری صلاحیت کو پوری طرح نشوونما دے سکے۔ ظاہر ہے کہ عام مدرسوں میں ایسا نصاب کامیابی کے ساتھ جاری نہیں کیا جا سکتا۔

اگرچہ ترقی یافتہ ملکوں کے مدرسوں میں بھی کند ذہن بچوں کو تعلیم دینے کا کوئی خاص طریقہ اختیار نہیں کیا جا رہا، لیکن وہاں بعض بستیوں میں ایسے مدرسے بھی ہیں جن میں کند ذہن بچوں کو ''خاص کمروں'' میں تعلیم دی جاتی ہے اور یہ مساعی بارآور ہوتی نظر آتی ہیں کیونکہ بعض منتظمین مدارس اور تعلیمی بورڈ بھی کند ذہن بچوں کی الگ تعلیم کا اہتمام کر رہے ہیں۔ ان خاص کمروں میں کند ذہن بچوں کو خاص طریقوں اور سامان سے تعلیم دی جاتی ہے، مگر ان کو اوروں سے بالکل ہی الگ نہیں رکھا جاتا۔ جہاں تک کھیلوں کے میدان، جلسوں، جلوسوں، آرٹ اور موسیقی کی جماعتوں، دکانوں، کارخانوں، سماجی تقریبوں اور جسمانی ورزش کا تعلق ہے، ان میں کند ذہن بچے اور بچوں سے ملتے جلتے اور ان کی سرگرمیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ ماہر نفسیات نے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ لائحہ عمل اور طریقوں سے زیادہ کارگر ہے۔ کند ذہن بچوں کو خواندگی، ریاضی اور ہجہ جیسے مضامین میں اوروں سے الگ رکھنا چاہیے لیکن چونکہ ان بچوں کو بھی اچھے شہریوں کی زندگی بسر کرنی ہے اس لیے ضروری ہے کہ یہ مدرسے کی زندگی میں اور بچوں سے ملتے جلتے رہیں۔

''اور'' ماہر نفسیات نے یہ باتیں بروس کے باپ کو بتانے کے بعد کہا: ''صحت مند ذہن کے لوگوں کو کند ذہن انسانوں سے محبت کرنے اور انہیں قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی غرض سے ضروری ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے ملیں جلیں اور ان سے تعلق پیدا

کریں۔"

مستند اہل رائے میں سے سب ہی ماہر نفسیات کے اس نظریے سے پوری طرح متفق نہیں ہیں چنانچہ بعض بستیوں میں عام مدارس میں کند ذہن بچوں کے لیے خاص عمارتیں بنائی گئی ہیں جو مدرسے سے الگ ہیں۔

کند ذہن بچے باقاعدہ جماعتوں میں فیل کیوں ہوتے ہیں؟

بروس کے باپ کو اس بات کا علم تھا کہ عام مدرسوں میں کند ذہن بچوں کے لیے اس قسم کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا اور انہیں اور بچوں کے ساتھ بٹھا کر پڑھایا جاتا ہے۔ تاہم وہ تلاش کرتا رہا کہ شاید کوئی نجی مدرسہ ایسا مل جائے جہاں اس قسم کا کوئی خاص انتظام ہو اور کافی دوڑ دھوپ کے بعد اسے ایسا ایک مدرسہ مل بھی گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہاں کند ذہن بچوں کے لیے الگ جماعت ہے تو سہی لیکن اس میں داخلے کی شرط یہ ہے کہ بچہ دس برس کا ہو۔

بروس کے باپ نے دریافت کیا۔ "کیا آپ لوگوں کے خیال میں اس عمر سے پہلے کند ذہن بچوں کو خاص تربیت دینے کی ضرورت نہیں؟"

جواب ملا۔ "آپ درست کہتے ہیں۔ اس عمر سے پہلے بھی خاص تربیت کی ضرورت ہے لیکن ہمارے پاس کند ذہن بچوں کی خاص تربیت کے لیے سرمایہ نہیں ہے۔ پھر بستی کے لوگ بھی اس قسم کی تعلیم کے ایسے کچھ زیادہ حامی نہیں' اس لیے ہم مدرسے کی مجلس انتظامیہ کو یہ یقین دلانے میں کامیاب نہیں ہو سکے کہ چھوٹی عمر کے کند ذہن بچوں کے لیے علیحدہ جماعت کی ضرورت ہے۔"

بروس کے باپ نے کہا: "اس کی ضرورت تو ہر ایک کو محسوس ہونی چاہیے۔" پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "مگر ہم نے بھی تو اس کی ضرورت اسی وقت محسوس کی جب سر پر آ پڑی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب ہم اپنے کند ذہن بچے کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں

کیا کریں!''

اس مدرسے کے استاد نے کہا۔''میری بات مانیے تو فی الحال اپنے بچے کو اور بچوں کے ساتھ پڑھنے دیجئے۔ جب یہ دس برس کا ہو جائے گا تو خاص جماعت میں داخل کرلیا جائے گا۔''

بروس کے باپ نے ایک اور استاد سے بھی مشورہ کیا۔ وہ کافی پڑھا لکھا اور ہمدرد آدمی تھا۔ اس نے کہا:

''کند ذہن بچے جب اور بچوں کے ساتھ پڑھنا شروع کرتے ہیں تو وہ بڑی مشکل میں پھنس جاتے ہیں۔ عام طور سے یہی دیکھا گیا ہے کہ وہ نسبتاً زیادہ تعداد میں فیل ہوتے ہیں مگر کند ذہن بچوں کی خاص جماعت میں ایسا نہیں ہوتا۔''

بروس کے باپ نے کہا۔''اس طرح تو بروس دس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے بالکل تباہ ہو جائے گا۔''

اس استاد نے کہا۔''ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ میں نے ذاتی تجربے سے اس صورت حال کا یہ تجزیہ کیا ہے کہ کند ذہن بچے ابتدائی جماعتوں میں اوروں سے پیچھے کیوں رہتے ہیں۔ اس کی کند ذہنی کے علاوہ بھی بہت سی وجوہ ہیں۔'' اور اس نے مندرجہ ذیل وجوہ بیان کیں:

(1) ہم جماعتوں سے کم ذہنی عمر (یا ذہانت)

اکثر ماں باپ اپنے کند ذہن بچوں کو بھی اسی عمر میں مدرسے میں داخل کرتے ہیں جو عام طور پر سب بچوں کے لیے مقرر ہے حالانکہ ذہنی طور پر ان کا بچہ اس عمر میں مدرسے میں داخل ہونے کے لیے موزوں نہیں ہوتا۔

(2) معاشرتی اور جذباتی ناپختگی۔

عام حالات میں ترقی ذہانت نشوونما کا ایک جزو ہوتی ہے لیکن کند ذہن بچوں کی معاشرتی و جذباتی نشوونما اتنی آسانی سے نہیں ہوتی جتنی آسانی سے صحت مند ذہن کے

بچوں کی ہوتی ہے' اس لیے کند ذہن بچوں کے والدین ان کی معمول سے زیا
حفاظت اور لاڈ کرتے ہیں مگر اس سے وہ اور بھی ناپختہ رہ جاتے ہیں۔

(3) اپنے کو ہیچ سمجھنا۔

جب کوئی انسان اپنا جائزہ لیتا ہے تو وہ سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ دوسرے ا
کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ اگر بچہ اپنا اس قسم کا جائزہ لے اور اس کو اس امر
احساس ہو جائے کہ دوسرے اسے ناپسند کرتے ہیں نیز ان کے ماں باپ اور رشتہ د
بھی اس کی طرف سے مایوس ہیں تو وہ یقیناً خود کو ہیچ سمجھنے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا
اس میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا نہ ہوگا۔

(4) ناکامی کا نمونہ۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کند ذہن بچے کو مدرسے میں داخل ہونے سے پہلے
ناکامی کا نمونہ بنا دیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس سے یہ توقع کی گئی ہو کہ وہ اپنے سن وسا
کے مطابق ترقی کر کے دکھائے یا اس کا دوسرے بہن بھائیوں اور ہم جماعتوں
مقابلہ کیا گیا ہو جس میں وہ متوقع کامیابی حاصل نہ کر سکا ہو۔

(5) تعلیم کے ناموزوں طریقے اور سامان:

کند ذہن بچہ اور بچوں کی نسبت دیر سے سیکھتا ہے اس لیے پڑھاتے وقت نق
اور شکلیں بنا بنا کر مطلب سمجھانا چاہیے۔ مطلب ذہن نشین کرنے کے لیے ایک خاکہ
بنا کر بات کو بار بار دہرایا جائے تاکہ وہ مطلب آسانی سے سمجھ جائے۔ کند ذہن بچوں
سارا مضمون من وعن نہیں پڑھانا چاہیے اور ان کی خاص جماعتوں کے لیے اعلیٰ تعل
یافتہ اساتذہ ہونے چاہئیں جنہیں کند ذہن بچوں کو تربیت دینے کا پورا علم اور تجربہ ہو

حصولِ علم کی تیاری

اس استاد نے مندرجہ بالا پانچ اسباب کا ذکر کرنے کے بعد بتایا کہ ان کے علا

ایک چھٹا سبب جو سب سے اہم ہے حصول علم یا سیکھنے کی ذہنی تیاری نہ ہونا ہے۔

بروس کے باپ نے پوچھا۔ ''سیکھنے کی تیاری کا کیا مطلب؟'' استاد نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ ''ابتدائی جماعتوں کے استاد یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو بچے پہلی جماعت میں داخل ہوتے ہیں ان میں سے بعض پڑھنے اور گنتی کرنے جیسی درسگاہی ہنر مندیوں کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ بعض لکھائی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بعض اوقات استادوں کو کافی وقت ایسے بچوں کو ''آمادہ'' یا ''تیار'' کرنے پر صرف کرنا پڑتا ہے۔ ''آمادگی'' کے منصوبے میں اس قسم کی مشقیں شامل ہوتی ہیں جیسے لکھے ہوئے صفحے پر نظر دائیں سے بائیں دوڑانا' چیزوں اور تصویروں میں فرق اور مشابہت معلوم کرنا اور کہانی کے واقعات کو مناسب ترتیب دینا۔

''بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ''تیاری'' کی ضرورت صرف پہلی جماعت کے بچوں کو ہوتی ہے حالانکہ ''تیاری'' تعلیم کے ہر مرحلے میں ضروری ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر بچہ چلنا اس وقت تک نہیں سیکھتا جب تک وہ ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا یا رینگتا نہیں۔ چلنے سے پہلے یہ ''تیاری'' ضروری ہے۔ آپ کو اور مجھے بھی تیاری کی ضرورت ہے۔ اگر میں طب کے موضوع پر کوئی کتاب پڑھنی چاہوں تو اس وقت تک کچھ پلے نہیں پڑے گا جب تک میں نے پہلے طبی اصطلاحوں پر عبور حاصل نہ کر لیا ہو۔''

بروس کے باپ نے پوچھا۔ ''لیکن مجھے تو یہ بتایئے کہ اس بات کا بروس سے کیا تعلق ہے؟''

استاد نے کہا۔ ''اصل بات یہ ہے کہ بچے کو مدرسے میں داخل کرنے سے پہلے اسے مدرسے کے لیے تیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بچہ بہت سی باتیں صرف دیکھنے' سننے' پوچھنے اور عمل کرنے سے سیکھ سکتا ہے۔''

بروس کے باپ نے کہا۔ ''ہم ماہر نفسیات سے مشورہ کر چکے ہیں۔ انہوں نے بھی یہی کہا--- انہوں نے اسے ''خود بخود سیکھنا'' بتایا۔''

استاد بولا۔ ''انہوں نے صحیح ترکیب استعمال کی۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو ماں باپ بچے کو مدرسے میں داخل کرنے سے پہلے سکھا سکتے ہیں' مثلاً نئے الفاظ' ضابطے کی پابندی' حفاظتی تدابیر' معاشرتی خوبیاں اور کہانیاں اور ان کے علاوہ اور بہت سی باتوں میں دلچسپی لینا۔''

بروس کے باپ نے پوچھا۔ ''آپ کا مطلب ہے رسمی تعلیم؟''

استاد نے کہا۔ ''ہاں' یہی' یعنی ایسی باتیں جو بچہ خود بخود نہ سیکھ سکے اور وہ اسے سکھائی جائیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ کوئی شخص جتنا زیادہ ذہین ہوگا اتنی ہی اس میں قوت مشاہدہ زیادہ ہوگی اور اس طرح وہ خود بخود بہت سی باتیں سیکھ جائے گا۔''

بروس کا باپ بولا۔ ''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ بروس کچھ نہیں سیکھ سکے گا۔''

استاد نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اتنا نہیں سیکھ سکے گا جتنا اس کا بھائی جم سیکھ لے گا لیکن اس کے باوجود وہ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ خود نہیں سیکھے گا اسے سکھانا پڑے گا' جم اور اس کے ساتھ کے بچے آپ ہی آپ سیکھ لیا کریں گے۔''

بروس کا باپ کہنے لگا۔ ''میں نے یا میری بیوی نے تو ایک دن بھی کسی کو نہیں پڑھایا' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم بروس کو کیسے پڑھا سکیں گے۔''

استاد نے کہا۔ ''والدین نے پڑھانے کی تربیت حاصل نہیں کی ہوتی اور ان سے اس کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔ میری رائے میں ہر بستی میں ایک ایسا نرسری سکول ہونا چاہیے جس میں کند ذہن بچوں کو مدرسے میں داخل ہونے سے پہلے تربیت دی جائے اور ان سکولوں میں ایسے قابل اساتذہ مقرر کیے جائیں جنہیں کند ذہنی کے شعبے کی خصوصی تربیت دی گئی ہو۔''

بروس کا باپ بولا۔ ''مگر مصیبت تو یہی ہے کہ ایسے اساتذہ کہاں سے لائیں اور ایسے سکول کون قائم کرے۔''

استاد کہنے لگا۔ ''بعض ماہرین تعلیم اس قسم کے سکول کھولنے کے مسئلے پر غور تو کر رہے ہیں اور ایک دو مدرسے ایسے ہیں بھی جو کند ذہن بچوں کو اس قسم کی تربیت دیتے ہیں لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ بڑی عمر کے کند ذہن لڑکوں کے لیے بھی ایسے متعدد ادارے قائم کیے جائیں یا ان کے لیے وہ مدرسہ الگ تعلیم کا بندوبست کرے جس میں وہ داخل ہوں۔''

بروس کے باپ نے کہا۔ ''وہ تو جب ہوگا تب ہوگا' اس وقت تو سوال یہ ہے کہ بروس کے لیے کیا کیا جائے؟''

استاد نے صلاح دی' ''آپ اسے مدرسے میں داخل ہونے کی ہنرمندیاں خود سکھائیے اور جب یہ چھ سات سال کا ہو جائے تو پھر کسی باقاعدہ مدرسے میں داخل کر دیجیے۔ یہ صورت مناسب ترین تو نہیں ہے لیکن اس سے اتنا تو ہو جائے گا کہ یہ جب مدرسے میں داخل ہوگا تو حصولِ علم کے لیے پہلے سے تیار ہوگا۔''

بروس کے باپ نے کہا۔ ''اس طرح کہیں فائدے کے بجائے نقصان نہ پہنچ جائے۔ میں اور میری بیوی کیسے جان سکیں گے کہ ہمیں بچے کو کیا سکھانا ہے۔''

استاد نے مشورہ دیا۔ ''آپ ایک کام کریں۔ پہلے یہ دیکھیں کہ آپ کا دوسرا بیٹا جم کیا کرتا ہے۔ ایک روزنامچہ بنالیں اور اس میں لکھتے جائیں کہ جم کون سی نئی باتیں کب اور کیسے کرتا ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ بچے مدرسے میں داخل ہونے سے پہلے تیاری یا آمادگی کا اظہار کیسے کرتے ہیں۔''

بروس کے باپ نے پوچھا۔ ''کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں وہی باتیں بروس کو بھی سکھاؤں گا؟'' اس کے دل میں ایک خوف سا پیدا ہو رہا تھا کہ یہ استاد کتنے پرسکون لہجے میں اسے کتنا بڑا کام بتا رہا ہے!!!

استاد نے جواب دیا۔ ''آپ ان میں سے بعض باتیں بروس کو رفتہ رفتہ سکھا سکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ جس دن مشاہدہ کریں' اسی دن سکھائیں۔ یہ بات یاد رکھیے کہ جم

کی ذہنی عمر بروس کی ذہنی عمر سے زیادہ ہے اور بروس میں سیکھنے کی وہ مہارت اس عمر میں پیدا نہیں ہوسکتی جو اور بچوں میں ہوسکتی ہے۔"

بروس کے باپ نے پوچھا۔ "مجھے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ بروس میں سیکھنے کا شعور پیدا ہو چکا ہے؟"

استاد نے کہا۔ "آپ کو اس کی نشانیاں نظر آئیں گی۔ میں تو کسی بچے کے بارے میں محض اپنے تجربے کی بنا پر' بغیر امتحان' بتا سکتا ہوں کہ وہ مدرسے میں داخل ہونے کے لیے تیار ہو چکا ہے یا ابھی کچھ کسر ہے۔ مثلاً اس مرحلے میں بچہ کتابوں سے دلچسپی لینے لگتا ہے اور بعض الفاظ کے معنی بھی پوچھتا ہے' پھر اس کے چہرے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں مدرسے جانے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ ایسا بچہ کبھی کبھی اپنے بڑے بہن بھائیوں کے ساتھ مدرسے جانے کو بھی تیار ہو جاتا ہے۔ کند ذہن بچہ ایسی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا بلکہ مدرسے جانے کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر سختی آجاتی ہے یا وہ کوئی چیز توڑ پھوڑ دیتا ہے یا اور کسی طرح جذباتی بوکھلاہٹ ظاہر کرتا ہے۔ ان باتوں سے مجھے پتا چل جاتا ہے کہ مجھے کونسا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔"

بروس کے باپ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے' کوشش کروں گا۔"

بروس کی حصول علم یا سیکھنے کی تیاری

استاد نے بروس کے باپ کو بتایا کہ وہ اور ماہر نفسیات مل کر بروس کے لیے سیکھنے کی تیاری کا ایک خاکہ بنا دیں گے۔ اس سے بروس کے باپ کا کام آسان ہو جائے گا۔

ہر ہفتے بروس کا باپ' ماہر نفسیات اور استاد سر جوڑ کر بیٹھتے اور بروس کے لیے "خاص نصاب" تیار کرتے رہے۔ اس میں تیاری کے وہ عناصر بھی شامل کرنا ضروری تھے۔ جن پر عبور حاصل کرنا بچے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ البتہ ان میں سے ہر ایک کی

سیکھنے کی عمر کا انحصار بچے کی ذہنی قابلیت' دلچسپی' تعاون' طبیعت (پرسکون ہے یا تلون)' صحت' کتنی دیر تک متوجہ رہ سکتا ہے (کبھی کسی ایسی ذہنی بیماری کا شکار تو نہیں ہوا جس سے دماغ کو نقصان پہنچا ہو اور وہ بہت زیادہ ذہنی پریشانی میں مبتلا رہا ہو)' شخصیت (تیاری کے لائحۂ عمل میں دلچسپی لیتا ہے یا اس سے بیزار ہوتا ہے) اور دوسرے عناصر پر ہوگا۔

کئی ہفتے کی دماغ سوزی کے بعد ان تینوں نے ایک آزمائشی خاکہ تیار کرلیا۔

استاد نے بروس کے باپ کو بتایا۔ ''یہ خاکہ آزمائشی ہے۔ جب آپ اس پر عمل کریں گے تو جب کبھی وقت پیش آئے اس میں تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں۔ کند ذہن بچوں کے لیے کوئی خاص مقررہ اصول مرتب نہیں کیے جاسکتے' ان میں ہر لمحہ تبدیلی ہوسکتی ہے۔''

ماہر نفسیات نے بروس کے باپ سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ جب چاہیں میرے پاس مشورے کے لیے آسکتے ہیں۔''

بروس کے باپ نے اپنے دونوں بچوں کی ذہنی نشوونما کے ایسے نئے پہلوؤں کا اندراج شروع کر دیا جیسے نشوونما کا نقشہ' نئے الفاظ' لوگوں سے ملنے جلنے کا ردِعمل' ماحول سے دلچسپی' نئی ہنرمندیاں جذباتی ہیجان انسیت کی علامات اور محفوظ ہونے کی صلاحیت۔

ماہر نفسیات کی پیشگوئی کے مطابق جم میں مسلسل تبدیلیاں ہورہی تھیں اور وہ روز بروز زیادہ تیز طرار ہوتا جارہا تھا مگر بروس کا ردِعمل بہت دھیما تھا اور وہ کسی بات میں اپنے بھائی کی طرح دلچسپی نہ لیتا تھا۔

استاد نے ایک مشورہ دیا۔ ''میرا خیال ہے کہ اس خاکے میں ہمیں چند ایسی یاد دہانیاں بھی بطور پیش لفظ لکھ دینی چاہئیں جو کند ذہن بچوں کی دیکھ بھال کرنے والوں کے لیے ہوں۔''

بروس کے باپ نے کہا۔ ''پہلی بات تو یہی لکھنے کے قابل ہے' جو نفسیات کے ماہر نے مجھ سے کہی تھی کہ بروس کو ایک بچہ سمجھو' کند ذہن بچہ نہ سمجھو۔''

ماہر نفسیات نے سر ہلا کر اقرار کیا۔ ''ہمیں بچے کی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں حقیقت پسند ہونا چاہیے۔''

ان تینوں نے اپنے تجربے اور علم کی بنا پر کند ذہن بچے کی تربیت کے بارے میں یاد دہانیوں کی ایک فہرست بنائی' جو یہ تھی :

1- کند ذہن یا معذور بچے کا نام اس کی مخصوص خامی کی بنا پر نہیں رکھنا چاہیے جیسے وہ بہرا لڑکا! وہ کند ذہن نوجوان! وہ لنگڑی لڑکی۔

2- کند ذہن بچے اور بچوں جیسے ہی ہوتے ہیں' ان سے مختلف نہیں ہوتے۔

3- کند ذہن بچوں کی تعلیم و تربیت میں وہی مقاصد پیش نظر رکھنے چاہئیں جو عام بچوں کو پڑھانے لکھانے کے ہوتے ہیں۔ مثلاً خود کفالتی' اقتصادی طور پر کار آمد ہونا' تسلی بخش انسانی تعلقات اور وہ ذمہ داریاں جو ایک شہری پر عائد ہوتی ہیں۔ (ظاہر ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل بچے کی ذہنی خامی کی شدت اور طبیعت کے مطابق ہی ہوگی)۔

4- کند ذہن بچوں کی نفسیاتی ضرورتیں بھی دوسرے بچوں جیسی ہوتی ہیں۔ انہیں بھی اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ انہیں پیار کیا جائے' انہیں سماج کے معزز افراد کی حیثیت دے کر ان کی عزت کی جائے' انہیں ناکامی کی نسبت کامیابی زیادہ ہو اور وہ اپنے آپ کو ہیچ نہ سمجھیں۔

5- اور بچوں کی طرح کند ذہن بچے بھی اپنے متعلق اوروں کی رائے سے متاثر ہوتے ہیں۔

6- تمام بچے بری حرکتیں بھی کرتے ہیں اور اچھی بھی۔ کسی بچے کی کسی بری حرکت سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ کند ذہن ہے۔

7- ہر بچے میں نشوونما کی قدرتی اہلیت ہوتی ہے۔

8- کند ذہن بچوں کو ان کی انفرادی نشوونما کی سطح کے مطابق ہی معقول برتاؤ کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

9- ذہنی عمر' بچے کی ''تیاری'' اور مہارت حاصل کرنے کی اہلیت کا اندازہ لگانے کا صرف ایک ہی پیمانہ ہے۔ اس کے علاوہ اور پیمانے بھی ہیں۔ والدین اور اساتذہ کو بچے کی جسمانی اور جذباتی ''آمادگی'' کی نشانیوں پر بھی غور کرتے رہنا چاہیے۔

10- حصولِ علم کی ''تیاری'' یا ''آمادگی'' دراصل مستعدانہ علم حاصل کرنے کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ صحت مند ذہن کے بچے سیکھنے اور علم حاصل کرنے کے لیے خودبخود تیار ہو جاتے ہیں لیکن کند ذہن بچوں کی ایسی تیاری رسمی تعلیم کے ذریعے ہونی چاہیے۔

11- امتحانِ ذہانت کا فائدہ یہ ہے کہ بچے کے سیکھنے کا ایک درجہ مقرر کیا جاسکتا ہے تاہم اس سے صرف کسی معین وقت پر بچے کی کارکردگی کی پیمائش کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے عناصر ہیں جو زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور جن سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ایک شخص زندہ رہنے کے پیچیدہ فن میں کتنا کامیاب رہے گا۔

12- قابلِ تعلیم کند ذہن بچے ہمارے مستقبل کے شہری ہیں' جو ٹیکس ادا کریں گے' فوج میں رہ کر وطن کی حفاظت کریں گے' ملازمتیں کریں گے' گاڑیاں چلائیں گے اور اپنے بچوں کو پالیں گے' غرض ہر شعبے میں ہر قسم کے کام کریں گے' اس لیے ان کے مدرسے میں داخل ہونے سے پہلے اور داخل ہونے کے بعد جس قسم کی عادتیں' رویے' رجحانات اور خوبیاں ان میں پیدا کی جائیں گی وہی آئندہ زندگی میں ان کی کامیابی یا ناکامی کا سبب بنیں گی۔

13- کند ذہن بچوں کی تربیت کرتے وقت اس بات سے آگاہ رہنا چاہیے کہ ذہانت سے وابستہ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جو کند ذہن بچوں میں نہیں ہوتیں یا ان میں پوری طرح نشوونما نہیں پاتیں۔

ان خصوصیات میں سے بعض خصوصیتیں یہ ہیں:

جوشِ عمل اور عزائم---- تخلیقی جذبہ اور جدت پسندی' پیش بینی یا متخیلہ-----
پہل-----
تجسس----- کارکردگی کا اعلیٰ معیار----
ارتکاز توجہ کی قوت' وسعت توجہ-----
محرکات پر فوری ردِ عمل---- کام کو مکمل کرنے کا جذبہ طویل المدت منصوبے بنانا
اور مستقبل کے لیے مقاصد متعین کرنا۔
ہدایات پر ترتیب وار عمل کی اہلیت
تفصیل کی حس
اغلاط اور لغو باتوں کی گرفت کی قابلیت
نئے حالات کے ان عناصر کو شناخت کر لینا جن سے مانوس ہو۔
جانچ' تنظیم اور صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کی اہلیت۔
گزشتہ تجربوں کی بنا پر مسائل حل کرنے کی استعداد۔
تصورات حاصل کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی قابلیت۔
حل مسائل' ناقدانہ فکر اور فوراً فیصلہ کرنے کا ملکہ۔
لکھنے اور بولنے میں پر تاثیر زبان استعمال کرنے کی قابلیت۔
الفاظ اور خیالات کے درمیان رابطہ قائم کرنے کی صلاحیت۔

کند ذہن لوگوں میں اور لوگوں کی نسبت مندرجہ بالا خصوصیات کا فقدان تو ہوتا ہی ہے' ان میں گفتگو کے نقائص اور حرکت' تسلسل اور بصارت کی بے قاعدگی کے عیب بھی ہوتے ہیں۔

ماہر نفسیات نے بروس کے باپ کو اس امر سے آگاہ کیا کہ یہ ضروری نہیں کہ جتنی خامیاں بیان کی گئی ہیں وہ سب ہر کند ذہن بچے میں موجود ہوں' تاہم عمومی طور پر جس بچے میں یہ خامیاں نہ ہوں اور جو خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں وہ موجود ہوں ایسا بچہ خود بخود سیکھنے لگتا ہے اور اس کی رسمی تعلیم بھی آسانی سے ہو جاتی ہے' نیز یہ بات بھی

فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ کند ذہن بچوں میں کسی نہ کسی حد تک تمام مذکورہ خوبیاں پیدا کی جاسکتی ہیں لیکن یہ کام بہترین طریقے سے وہی شخص انجام دے سکتا ہے جسے ایسے بچوں کو خصوصی تعلیم دینے کی تربیت دی گئی ہو۔

بروس کے والدین کے لیے جو خاکہ بنایا گیا اس کے سب بڑے بڑے عنوانات کو آخر میں ان دو عنوانوں میں سمیٹ لیا گیا۔

1- مہارتیں اور عادتیں۔

2- معلومات اور علم۔

پہلے عنوان کے تحت یہ باتیں درج کی گئیں:

روزمرہ زندگی کی سرگرمیاں (بعض اوقات انہیں ''زندگی کے متواتر مواقع'' بھی کہا جاتا ہے)۔

حرکتی مہارتیں:

وہ حرکت جس میں بڑے اعصاب سے کام لینا پڑتا ہے۔

وہ حرکت جس میں چھوٹے اعصاب سے کام لینا پڑتا ہے (مع آنکھ اور ہاتھ کی مطابقت)۔

ذہنی نشوونما کے لیے درکار مہارتیں:

خواندگی کے لیے آمادگی

ریاضی کے لیے آمادگی

الفاظ کا ذخیرہ:

بولنے کے الفاظ کا ذخیرہ' خواندگی کے الفاظ کا ذخیرہ کم از کم اتنے الفاظ ضرور آنے چاہئیں کہ بورڈ' تختہ سیاہ اور نام پڑھ لیں۔

مطالعہ اور کام کرنے کی عادتیں اور مہارتیں۔

محظوظ ہونے کے شعور کی نشوونما

اب یہ مرحلہ سامنے آیا کہ کون سی معین مدیں سب سے پہلے سکھائی جائیں۔ ایک دن جم نے اپنے کوٹ کے بٹن خود لگا لیے چنانچہ مدرسے میں داخل ہونے سے پہلے کی متوقع جسمانی حرکتوں یا مہارتوں کے خانے میں اس کارگزاری کا اندراج کر لیا گیا۔ جم کے ذخیرۂ الفاظ میں اس تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا کہ اس کے والدین کے لیے ان کا اندراج مشکل ہو گیا۔ اس کا محظوظ ہونے کا شعور بھی بڑھ رہا تھا۔ ایک اتوار کو جم کے باپ نے بے دھیانی میں چینی چائے کی پیالی میں ڈالنے کے بجائے دودھ دان میں ڈال دی تو اس پر جم بڑے زور سے ہنسا۔

بروس کے باپ نے ماہر نفسیات سے پوچھا۔ ''کیوں جناب! کیا کُند ذہن بروس کو اس قسم کی تمسخر انگیز باتوں پر ہنسنا بھی سکھانا پڑے گا؟''

ماہر نفسیات نے جواب دیا۔ ''محظوظ ہونے کا شعور بھی نشوونما پاتا ہے۔ کُند ذہن میں یہ شعور دیر میں پیدا ہوتا ہے اور وہ ان باتوں پر نہیں ہنستے جن پر عام بچے ہنستے ہیں۔ وہ صرف اس مزاح کو سمجھتے ہیں یعنی اس تمسخر انگیز بات پر ہنستے ہیں جو بالکل واضح ہو اور جس پر ہنسی آئے بغیر نہ رہے۔ ان کے برعکس ذہین بچے بڑی لطیف قسم کی ظرافت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

بروس سب سے پہلے جس بات سے محظوظ ہوا وہ اس کے بھائی جم کا الٹی زقند لگانا یا اسی قسم کی مسخرے پن کی اور حرکتیں کرنا تھا۔ اس کے والدین کے لیے یہ بہت اہم واقعہ تھا۔ خاموش طبع بروس سچ مچ کی خوشی سے ہنس رہا تھا۔

قدرتی اور نشوونمائی حرکتی مہارتوں کے علاوہ جم اپنے ماحول میں نئی انوکھی مہمات کی جانب بھی لپکتا رہتا تھا۔ مثلاً وہ تین پہیوں کی سائیکل کی سواری کرتا، رولر کو لڑھکانے لگتا، گیند کو ٹپے دیتا، اور رسی کودنے کی کوشش کرتا۔ اس کے بعد اس نے ایسی حرکتیں شروع

کیں، جن میں چھوٹے اعصاب سے کام لیا جاتا ہے، مثلاً گھسیٹواں لکھنا، کند قینچی سے کاغذ کاٹنے کی کوشش کرنا، کھلونوں کے جوڑ کھولنا، رنگیں چاک سے رنگ بھرنا اور چھوٹے چھوٹے کھیل کھیلنا۔

ان کند ذہن بچوں کا مدرسہ جو ابھی کسی مدرسے میں داخل نہ ہوئے ہوں:

جب جم اور بروس پانچ برس کے ہوئے تو بروس کے ماں باپ نے جم کو تو کنڈر گارٹن میں داخل کر دیا اور جتنے وقت وہ وہاں رہتا اتنے وقت بروس کو تعلیم و تربیت دیتے۔

انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بروس کو پانچ برس کی عمر میں کنڈر گارٹن میں داخل نہیں کریں گے۔

ماہر نفسیات نے ان کے اس فیصلے کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا۔ "متعدد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کنڈر گارٹن میں پڑھائی نہیں ہوتی۔ بچے محض کھیلنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ لیکن بچے کھیل کود میں بھی نشو و نما کے مرحلے طے کرتے ہیں چنانچہ چھوٹے اور سست رو بچوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ پھر کنڈر گارٹن کا یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ بچوں کو درسگاہی تعلیم کے لیے تیار کیا جائے گو ان میں صرف ایک دوسرے سے ملنے کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

بروس کی ماں نے کہا۔ "ادھر جم کنڈر گارٹن میں ہوگا اِدھر میں روز صبح کو دو گھنٹے تک بروس کو تربیت دیا کروں گی اور ایسے طریقے سوچوں گی جن سے اس کو نشو و نما میں مدد مل سکے، خاصی تفریح رہا کرے گی۔"

اگرچہ یہ تجربہ "تفریح" ہی ثابت ہوا، تاہم بروس کے ماں باپ کو اس کا روز بروز زیادہ احساس ہوتا گیا کہ بستی کے کند ذہن بچوں کے لیے ایک نرسری سکول کی کتنی سخت ضرورت ہے۔ یہی نہیں کہ بروس کی تربیت کے لیے درکار سامان ان کے پاس

نہیں تھا بلکہ انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ بروس کو اس عمر میں اپنے جیسے دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر تربیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت نرسری سکول کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔

ایک روز جب بروس کا باپ استاد اور ماہر نفسیات سے تبادلۂ خیال کر رہا تھا' اس نے ان سے کہا: "جب تک بچہ اپنے ہم عمروں میں مل کر نہ بیٹھے' ان کے ساتھ نہ کھیلے ان کی باتیں نہ سنے اور اپنے خیالات کا اوروں کے خیالات سے موازنہ نہ کرے' غرض ایک مجلسی انسان نہ بنے' اس وقت تک وہ صحیح معنوں میں تربیت کیسے حاصل کرسکتا ہے!"

استاد نے کہا۔ "ہم تو مدت سے یہی کہتے آ رہے ہیں' لیکن ہماری کوئی سنتا ہی نہیں۔ جب تک بااختیار لوگوں کو احساس نہ ہو اور اس مقصد سے بورڈ یا ادارے نہ بنائے جائیں' اس وقت تک کیا ہوسکتا ہے!"

اب بروس کے ماں باپ کو اپنے کند ذہن بچے کو ترقی کے راستے پر ڈالنے کی مہم سر کرنی پڑ رہی تھی تو وہ حیران بھی تھے اور اس کام کا بار بھی محسوس کر رہے تھے اور انہیں کسی قدر اضطراب بھی تھا' تاہم انہوں نے گرم جوشی سے یہ کام انجام دینے کی ٹھان لی حالانکہ سامانِ تربیت تھوڑا ہی تھا۔ سامان میں یہ چیزیں شامل تھیں۔ کتابیں' رنگدار چاک' اخباری کاغذ' پوسٹر کا کاغذ' پرونے کے لیے لکڑی کے دانے' کچھ مرتبان اور مختلف جسامتوں کے ڈھکنے جنہیں بروس کو اس لیے چھانٹ کر الگ کرنا تھا کہ کونسا ڈھکنا کس مرتبان کا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی متفرق چیزیں بھی تھیں جو ہمسایوں اور دوستوں نے بجھوائی تھیں۔

بروس کے والدین نے یہ بات پہلے ہی دن معلوم کرلی کہ اگر اس تجربے کو مفید مطلب بنانا ہے تو بعض باتیں ضرور کرنی ہوں گی اور بعض نہیں کرنی ہوں گی۔ وہ باتیں یہ تھیں:

1- بچے کو سامان سمیت اکیلا نہ چھوڑو

اس کے بجائے ایک وقت میں ایک ہی کام بڑے منظم طریقے سے کرو تا کہ بچہ ہمہ وقت مصروف رہے۔ منصوبہ پہلے سے بنالو' ورنہ جب استاد یہ سوچ رہا ہوگا کہ اب بچے کو کونسی سرگرمی میں مصروف کیا جائے' اس دوران میں ایک چابلا بچہ' جو ابھی باقاعدہ پڑھنے نہ بیٹھا ہو' استاد کی نظر بچا کر بھاگ سکتا اور کمرے کی چیزوں کو توڑ پھوڑ سکتا ہے۔

2- گوشوارے کے مطابق کام کرو

استاد نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا تھا کہ کند ذہن اور چھوٹے بچوں کے لیے لگے بندھے طریقوں سے کام کرنا چاہیے۔ اس سے بچوں میں سلامتی اور سکون کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

3- جہاں تک ہوسکے قاعدے تھوڑے ہوں مگران پر سختی سے عمل کراؤ

اگر مدرسہ نو سے گیارہ تک کا ہے تو اس وقت کی پابندی کی جائے۔

4- شروع شروع میں ہر کام پانچ سے دس منٹ تک کا ہونا چاہیے

باقاعدہ مدرسے میں داخل ہونے سے پہلے بچہ کسی بات پر زیادہ دیر تک توجہ نہیں کر سکتا اور کند ذہن بچے میں یہ خامی خاص طور پر ہوتی ہے۔

5- الفاظ کے ذریعے تعلیم کم سے کم ہونی چاہیے

کند ذہن بچے کو کسی چیز کے بارے میں زبان سے بتانے کے بجائے وہ چیز دکھا دی جائے تو یہ عمل اس کے لیے زیادہ مؤثر ہوگا۔ بروس کے والدین کو یہ تجربہ ہوا کہ جب وہ بروس کو کچھ بتانا شروع کرتے' خواہ وہ کہانی ہی کیوں نہ ہو' تو اس کی توجہ اِدھر اُدھر ہو جاتی۔

استاد نے بتایا۔ ''کند ذہن بچوں کو مدرسے کے دوسرے بچوں سے زیادہ سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔'' البتہ یہ مشورہ دیا کہ پہلے چند ہفتوں میں بروس کو روزانہ صرف ایک گھنٹہ تربیت دی جائے۔ اس نے کہا۔ ''شروع شروع میں بچہ اتنا کم دھیان دے گا کہ پڑھانے سکھانے والا مایوس ہو کر یہ سوچنے لگے گا کہ یہ بچہ کبھی کچھ نہیں سیکھ سکے گا۔''

جب بروس سات برس کا ہوا تو اسے اپنے شہر کے مدرسے میں کنڈرگارٹن کے درجے میں داخل کر دیا گیا۔ اس کے والدین کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ مدرسے کا پہلا دن بروس کے لیے بڑا تکلیف دہ ہوگا لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ مشکل بہت جلد آسان ہو جائے گی کیونکہ کنبے والے' دوست احباب' ہمسائے' مدرسے والے اور ہم جماعت سب ہمدردانہ رویہ اختیار کریں گے۔ پھر دو برس سے بروس کو ابتدائی تربیت بھی دی جا رہی تھی۔

کیا سکھانا چاہیے؟

بروس کے لیے استاد' ماہر نفسیات اور اس کے باپ' تینوں نے مل کر جو نقشہ کار بنایا اس کی تفصیل یہ ہے:

مہارتیں یا ہنرمندیاں اور عادتیں

روزمرہ کے کام:

صفائی' ستھرائی اور اپنی حفاظت آپ کرنا۔ الماری یا دراز وغیرہ میں رکھے ہوئے کپڑوں کی دیکھ بھال' پیغام لانا لے جانا اور بستی یا محلے کا راستہ خود معلوم کرنا۔

ٹیلی فون استعمال کرنا۔ جب کوئی تحفہ پیش کرے یا نرمی سے پیش آئے تو اس کا شکریہ ادا کرنا۔ دوسروں کی مدد کرنا' گھر اور مدرسے کے کام کاج میں شریک ہونا' ڈاکٹر کے پاس جاتے وقت صحیح قسم کا رویہ اختیار کرنا' دوستوں کی خاطر تواضع' مختلف موقعوں پر مختلف قسم کا لباس اور برتاؤ مثلاً سینما' ضیافت' چائے کی ضیافت' تمثیل' ریستوراں'

ان، مدرسہ، مسجد، پکنک اور کیمپ وغیرہ میں ہر موقع کے مطابق لباس پہننا چاہیے اور
سب موقع رویہ اختیار کرنا چاہیے (کُند ذہن بچے اس میں فرق نہیں کر سکتے کہ جو لباس
ب جگہ پہنا جاتا ہے یا جو رویہ ایک جگہ اختیار کیا جاتا ہے وہ دوسری جگہ غلط اور بے
قع ہوتا ہے۔ کسی بچے کو مختلف قسم کے جتنے زیادہ تجربے ہوں گے اتنا ہی وہ زیادہ
ون اور اطمینان حاصل کرے گا۔)

کی مہارتیں

جن میں بڑے پٹھوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اچھلنا کودنا، پھسلنا، سائیکل، سکوٹر،
ن پہیوں کی سائیکل، کھلونا گاڑی وغیرہ کی سواری کرنا، گیند لپکنا، پھینکنا اور اسے ٹپے
نا، رسی کودنا، آنکھ مچولی کھیلنا اور اسی قسم کے اور کھیل جو بچے کھیلتے ہیں۔ قدم ملا کر چلنا،
ڈ باجا بجانا، ریل کی پٹڑی پر چلنا، چڑھنا، تیرنا، گانا اور دوڑ بھاگ کے دوسرے
یل۔

ن میں چھوٹے پٹھوں سے کام لیا جاتا ہے: کاٹنا چپاں کرنا، رنگ بھرنا، لکھنا،
بہ اتارنا، ڈرائنگ کرنا، سینا، پرونا، لڑی میں دانے پرونا، ہر قسم کی دستکاریاں، بٹن یا
وسری چیزیں الگ الگ کرنا، بٹن، زِپ اور بکسوئے وغیرہ لگانا اور بعض خاص قسم کے
مے حل کرنا۔

ہنی نشوونما کے لیے درکار مہارتیں

ولنے کے الفاظ کا ذخیرہ: وہ الفاظ جو روزمرہ بولے جاتے ہیں۔ وہ الفاظ جو حصول
علومات اور تدریس کے لیے بولے جاتے ہیں۔ ریاضی کی تیاری کے الفاظ، ہندسوں
کے الفاظ، موازنہ کے الفاظ جیسے "زیادہ"، کم، "بہت کم"، "سب سے اونچا" وغیرہ۔
یائش کی اصطلاحیں جیسے انچ، میٹر، کلومیٹر، چھٹانک، کلو، من وغیرہ۔ عام کسریں جیسے
آدھا، ایک تہائی، ایک چوتھائی وغیرہ۔ وقت کا تصور جیسے آج، کل، پچھلا ہفتہ، منٹ،

گھنٹہ، دن، مہینہ، سال وغیرہ۔ مختلف رنگ۔ بیانیہ الفاظ۔ متضاد الفاظ، حیوانات،
بتانے والے الفاظ جیسے اندر، پیچھے، نیچے، اوپر، پر، ایک طرف۔ اسمائے معرفہ جن میں
کے محلے، گلی، شہر، صوبے، ملک، احباب، اساتذہ، خاندان اور پالتو جانوروں کے
شامل ہوں۔ عام چیزوں کے نام جن میں کھلونوں، غذاؤں، پھلوں، عمارتوں، گاڑ
پھولوں، کیڑے مکوڑوں، فرنیچر، کپڑوں، جسم کے اعضا اور کمروں وغیرہ کے نام ش
ہوں۔

پڑھنے کے الفاظ کا ذخیرہ: سڑکوں اور بازاروں میں تختوں اور بورڈوں پر لکھے ہو
الفاظ جو سلامتی اور صحت سے تعلق رکھتے ہوں جیسے زہر، سٹاپ، گزرنا منع ہے،
وغیرہ۔ خاندان والوں کے نام۔ ان اجزا کے نام جو کھانے کی ترکیبوں میں آتے ہیں
اپنے گھر کا پتا اور شہر اور ملک کا نام۔ بچے کے پڑھنے کے الفاظ کا ذخیرہ، اس کی
دلچسپی، ضروریات بچے کی کند ذہنی کے درجے کے مطابق ہوتا ہے۔ استاد نے اس
کی وضاحت کی کہ آج کل مدرسوں میں بچوں کو ایسے فقرے پڑھائے جاتے ہیں
کے الفاظ انہوں نے پہلے الگ الگ نہیں پڑھے ہوتے۔ لیکن اس نے یہ بھی کہا کہ
ذہن بچوں کے لیے ضروری ہے کہ انہیں مدرسے میں داخل کرنے سے پہلے ترب
دیتے وقت الگ الگ الفاظ سے روشناس کرایا جائے۔ بہرحال الفاظ کے انتخاب
کند ذہن بچے کی ضروریات اور دلچسپی کو مدنظر رکھنا چاہیے اور اُسے محض والدین
اطمینان کی خاطر نامانوس الفاظ کبھی نہیں سکھانے چاہئیں۔

ریاضی کی تیاری کی مشق: کسی مقصد سے چیزیں گننا، جیسے میز پر چار طشتریاں،
غبارے خریدنے کے لیے پانچ روپے (یہ پہچاننا کہ پہلی، دوسری، تیسری اور چو
ڈھیری میں کتنی کتنی چیزیں ہیں) سکول کی پہچان اور یہ جاننا کہ روپیہ کس لیے ہوتا
مختلف کاموں کے وقت بتا سکنا، جیسے مدرسے جانا، دن کا کھانا کھانے، ابا کے گھر آ
ریڈیو یا ٹیلی ویژن کے کسی خاص پروگرام اور سونے کے وقت کا اندازہ ہونا، دس تک

ھنا (پڑھنے کی طرح لکھنے میں بھی بچے جو کچھ سیکھنا چاہتے ہیں اور جس کی انہیں
رورت ہوتی ہے اس کے معاملے میں وہ ایک دوسرے سے مختلف نکلیں گے۔ کند
ن بچوں کو سکھاتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ان کی زندگی میں عملی طور پر
ب یا آئندہ کونسی بات مفید ہو سکتی ہے۔)۔

بخود ہونے والی حرکتوں کی مہارتیں جن سے آئندہ پڑھائی اور درسگاہی
لیم میں امداد ملے: صفحے کے بائیں سے دائیں کا اندازہ۔ تصویروں اور دوسری
یاء میں مماثلت اور فرق معلوم کرنا۔ الفاظ گا گا کر یاد کرنا۔ ایسے الفاظ بولنا جو ایک
ے حرفوں سے شروع ہوتے ہوں۔ اشیاء' شکلوں' رنگوں' حروف' الفاظ' اعداد' جملوں
ر تصویروں کا ایک دوسرے سے مقابلہ یا میل کرنا۔ آسان معمے حل کرنا' دھاگے میں
نے پرونے کا نمونہ یاد رکھنا (دو گلابی دانے' پھر ایک زرد' اور اسی نمونے پر دانے
نا) سماعی حس' (چھوٹی گھنٹی' بڑی گھنٹی اور اسی قسم کے دوسرے آواز والے آلوں کی
پان) چھو کر معلوم کرنا' جیسے نالی یا ریت یا مٹی میں چھپے ہوئے حروف اور ہندسے
ونڈ نکالنا' سکوں کو آنکھیں بند کر کے چھو کر شناخت کر لینا' اشیاء کو چھو کر شناخت کر
نا' اشیا کو چھو کر بتا دینا کہ لکڑی' دھات' شیشے یا سوت' کاہے کی بنی ہوئی ہیں۔

طالعے اور کام کی مہارتیں: ہدایات پر عمل کرنا' زیادہ وقفے تک سننے کی مشق
ڑھاتے جانا۔ کسی کام کو مکمل کرنا' کسی سرگرمی یا کام کے بعد چیزیں اٹھا کر رکھنا اور
فائی کرنا۔ روز ایک مقررہ وقت پر لگے بندھے کام کرنا۔ بلا نگرانی خود کوئی کام کر لینا۔
روں کے ساتھ مل کر کام کرنا۔ بعض ایسے کام کرنا جو پسند نہ ہوں۔ کہے بغیر بعض ایسے
کام کر دینا جو ہونے چاہئیں۔ درجہ بندی کی مشقیں (مثلاً پھلوں' سبزیوں' ترکاریوں'
نگوں اعداد اور کھلونوں کو درجہ وار رکھنا) کام کو مرحلوں کے اعتبار سے ترتیب دینا (سب
سے پہلے کیا ہوا' اس کے بعد کیا ہوا اور آخر میں کیا ہوا)۔ ایک تصویر یا تصویروں کا ایک

سلسلہ دیکھ کر کہانی سمجھ لینا' نتائج یا اسباب اور انجام کے بارے میں پیش گوئی کرنا (ا
لڑکے کی ماں نے ٹوٹی ہوئی طشتری دیکھ لی تو آپ کے خیال میں کیا کہے گی؟ یا اگر لڑ
ردی کی ٹوکری میں جلتی ہوئی دیا سلائی ڈال دے تو کیا ہوگا؟) کسی تصویر کے نقائص
لینا' یہ معلوم کرنا کہ کسی تصویر میں کس بات کی کمی ہے۔ کچھ چیزیں یا کوئی تصویر دیکھنا
بعد میں یاد کر لینا کہ کیا دیکھا تھا۔ کسی کہانی یا واقعے کو کچھ عرصے بعد بیان کر دینا۔

معلومات اور علم

بروس کے باپ نے استاد سے بہت سی ایسی باتیں سیکھ لیں تھیں جو استاد ا
تجربے کی بنا پر پہلے درجے کے بچوں کو سکھاتا رہا تھا۔ اس نے یہ باتیں بروس کے با
کو بھی بتا دی تھیں۔

سردیوں کے آغاز میں بروس نے ہجہ کے بارے میں بہت سی باتیں سیکھیں اور
بھی سیکھا کہ سردیوں میں اسے کیا کیا کرنا ہے۔ ایک تہوار کے موقعے پر اس
کھلونوں کے بارے میں ضروری باتیں معلوم کیں۔ اسی طرح موسم بہار میں پودو
کے پھلنے پھولنے اور جانوروں کے بچوں کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اس
سرکس دیکھا اور اسے بتایا گیا کہ سرکس کیا ہوتا ہے' ساتھ ہی سرکس اور چڑیا گھر
جانوروں کا حال بیان کیا گیا (یہ بات یاد رکھئے کہ موضوع کے انتخاب کے لیے ع
دلچسپی' پختگی' ماحول اور دوسری باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔)

بروس کے باپ اور استاد نے مل کر موضوعات کی فہرست مرتب کی۔ یہ اور کن
ذہن بچوں کے ماں باپ اور استادوں کے بھی کام آ سکتی ہے۔ اس لیے نیچے درج کی
جاتی ہے۔

گھریلو زندگی

موسم

بیج

خزاں کے لیے تیاری (جانور' پودے اور انسان)

تحفظ اور سلامتی

کھلونے

سواری

سماجی کارکن

پروانے اور تتلی کی زندگی کا ارتقاء

مینڈک کی زندگی کا ارتقاء

چیزیں کا ہے سے بنتی ہیں

شہر اور ملک۔

کھیتی باڑی کے حیوانات

گھریلو جانور

چڑیا گھر کے جانور

سرکس

مدرسہ

وہ چیزیں جو بڑھتی ہیں (پودے' انسان' حیوانات' بیج' ڈنٹھل دار سبزیاں' انڈے۔ وغیرہ)

ایسی مشینیں جو پیچیدہ نہ ہوں (انڈا پھینٹنے کی مشین' گھاس کاٹنے کی مشین' قینچی' کپڑا سینے کی مشین' پھاوڑا۔)

سورج

یہ سب موضع ایسے ہیں کہ ان سے انسان' زندگی میں' بار بار مختلف صورتوں میں' کبھی معمولی اور کبھی غیر معمولی حالات میں دو چار ہوتا رہتا ہے۔ ماہر نفسیات نے بتایا

"بعض قسم کی باتوں سے ہمیں اتنی بار واسطہ پڑتا ہے کہ یہ ہماری روزمرہ زندگی کا جزو بن گئی ہیں۔ ان میں سے بعض باتیں کند ذہن بچوں کے لیے بے معنی ہوں گی۔ لیکن اسے ان چیزوں کے متعلق جتنا زیادہ بتایا جائے گا وہ اپنے ماحول سے اتنی ہی کم اجنبیت محسوس کرے گا۔ چند ایسی سستی باتصویر کتابیں بھی بروس کے باپ کے ہاتھ لگ گئیں جن میں بچوں کے لیے عام معلومات مہیا کی گئی تھیں۔ بروس نہ ان کتابوں کو پڑھ سکتا تھا نہ وہ ان میں لکھی ہوئی ہر بات سمجھ سکتا تھا۔ اس کے ماں باپ ان کا مطالعہ کر کے ضروری باتیں اسے بتادیتے۔

تعلیم ایک مسلسل عمل ہے

بروس کے باپ نے یہ بات بہت جلد محسوس کر لی کہ بروس کے لیے ایک ہفتے میں دس گھنٹے کی تعلیم و تربیت بہت کم ہے۔ اس لیے عملاً ہر لمحہ اس کی تربیت کے لیے وقف کر دیا گیا اور خاندان کا ہر فرد اپنی بساط کے مطابق اس کی امداد کرتا رہا۔

کھانے کے قوت پہیلیاں ہوتیں۔ "لڑکو! میرے ذہن میں ایک ایسی چیز ہے جس سے تم ہر روز کھیلتے ہو۔ وہ سرخ رنگ کی ایک گول گول اور بڑی سی چیز ہے۔ بتاؤ وہ کیا ہے؟"

جب بروس اس پہیلی کی بوجھ سوچنے لگا تو اس نے محسوس کیا کہ اسے ایسے الفاظ کی ضرورت ہے جن میں اپنا مطلب بیان کر سکے۔

سڑک پر کار چلاتے ہوئے "بروس! مجھے یہاں گاڑی روکنی ہوگی' کیونکہ وہ اشارہ دیکھ رہے ہو نا؟ اس کا مطلب ہے یہاں گاڑی روکو!"----- "مجھے اس مدرسے کے آگے سے گزرنے میں کار بہت آہستہ چلانی ہوگی کیونکہ اشارے کے ذریعے کار آہستہ چلانے کی ہدایت کی گئی ہے۔"

چیزیں اٹھا کر رکھوانا--- "بروس! یہ سبزی' سبزی والی ٹوکری میں رکھو! صابن اٹھا کر صابن دانی میں رکھ دو! نہیں نہیں! تم نے تو صابن حمام کے اوپر رکھ دیا! یہ صابن

دانی کے اندر رکھا جاتا ہے!! اور یہ لو مربے کا مرتبان! باورچی خانے میں دوسرے مرتبانوں کی قطار میں رکھ آؤ!!"

سینا پرونا---- "بیٹا بروس! ذرا میرا ہاتھ بٹاؤ گے؟ صندوقچی میں سے کالے دھاگے کی لچھی نکال لاؤ۔ نہیں بیٹا یہ تو خاکی رنگ کی ہے۔ کالے رنگ کی لاؤ۔ جیسا میری قمیص کا رنگ ہے۔"

دھوبی کپڑے لایا---- "بروس! ذرا اپنے ابا کے کپڑے الگ کر کے ان کے صندوق میں رکھ دو! اور اپنے اور جم کے کپڑے یہاں میز پر رکھ دو!"

مہارت یا ہنر مندی درجہ بدرجہ پیدا کرنا

بروس کی ماں نے اپنے شوہر سے یہ بات کہی اور اس نے استاد اور ماہر نفسیات سے کہی۔ "خبر نہیں دونوں میں سے کون زیادہ سیکھ رہا ہے' میری بیوی یا بروس! وہ کہتی ہے جب میں نے بروس کو سکھانا شروع کیا تھا اس وقت مجھے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ تعلیم و تربیت کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب اس نے کاغذ کی گڑیا بنائی تو اسے احساس ہوا کہ یہ کام بھی تو تعلیم کا ایک حصہ ہے۔"

ماہر نفسیات نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ ایک اوسط درجے کا بچہ کوئی کام کرنے میں کئی مدارج ایک ساتھ طے کرتا ہے اس لیے ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ کسی ایک کام کے سلسلے میں کتنی مہارتیں کام کر رہی ہیں۔ مثلاً میں آپ کو یہ نہیں بتا سکتا کہ کاغذ کی گڑیا کاٹتے وقت کتنی مہارتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ میں نے گڑیا بنانے کے لیے کاغذ کاٹنا شروع کیا تو ایسے مہارتی درجوں سے گزرا جو بچوں کے بس کا روگ نہیں ہیں۔ میں نے پھر شروع سے کاغذ کاٹا اور درجہ بدرجہ کام کیا' یوں کاغذ کی گڑیا بنی۔ یہ مدارج کئی مہینے میں طے ہوئے۔"

بروس کی ماں ان مختلف مہارتوں کا اندراج کرتی گئی جو بروس نے بڑے شوق

سے کاغذ کی گڑیا کاٹنی شروع کرنے اور بڑی مشکل سے بھدے طریقے سے گڑیا کاٹنے میں کامیابی سے قبل بڑے جوش اور انہماک سے سیکھیں۔ وہ مہارتیں یہ ہیں:

قینچی سنبھالو! (ابھی چلانی نہیں ہے)۔

قینچی چلانے سے پہلے اسے پکڑنے کا ڈھب۔

پہلے ردی اخبار کو قینچی سے بے مقصد کاٹتے رہو تاکہ ہاتھ رواں ہو جائے۔

کاغذ کو موٹی کالی لکیروں پر سیدھا کاٹتے چلے جاؤ!

اب دائرے کاٹو!

ایک ہاتھ سے کاغذ کو قینچی کی رفتار کے مطابق گھماتے رہو اور دوسرا ہاتھ قینچی چلاتا رہے۔

لکیروں کے مطابق چوکور شکلیں کاٹتے رہو!

(کونے کاٹتے وقت کاغذ کو گھمانے کے لیے ہاتھ اور نگاہ کا خصوصی تال میل درکار ہوتا ہے۔)

موٹی کالی لکیروں پر کاٹتے رہو! کوہان' گولائیاں' نقطے' جھکاؤ وغیرہ۔

پہلے آسان شکلیں کاٹو۔

پھر مشکل شکلوں کو احتیاط سے کاٹو۔

انسانی شکل کا سادہ خاکہ بھی کاٹو۔

بروس کے باپ نے استاد کو بتایا۔ ''ہر بات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ بروس اور بچوں کی طرح چھلانگ نہیں لگا سکتا۔ اس لیے میں اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہوں' اپنے ایک ہاتھ سے اس کی ایک ٹانگ اٹھاتا ہوں اور دوسرے ہاتھ سے خود اس کو زمین سے ذرا اوپر اٹھاتا ہوں تاکہ چھلانگ مار سکے۔ جب تک ایسا نہ کروں اس کے پٹھے چھلانگ مارنے کے قابل ہی نہیں ہوتے۔ میرا مقصد اس امدادی کارروائی سے یہ ہوتا ہے کہ اس کے اعصاب چھلانگ مارنے کے عادی ہو جائیں۔''

استاد نے کہا: ''بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔''

بروس کا باپ بولا: ''ہاں ہے تو پیچیدہ' لیکن مجھے میری محنت کا پھل مل گیا۔ ایک دن ایسا بھی آیا جب بروس خودبخود چھلانگ لگانے لگا' حالانکہ اس دن میں یہ سوچ رہا تھا کہ شاید میرا یہ بچہ کبھی چھلانگ نہ مار سکے گا۔

جلدی نہ کیجئے۔

ایک دن بروس کے باپ نے استاد کو بتایا۔ ''اب مجھے معلوم ہوتا جا رہا ہے کہ 'تیاری' سے آپ کا کیا مطلب تھا۔۔۔ پچھلے ہفتے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ بروس کو تین پہیوں کی سائیکل پر سوار ہونا چاہیے۔''

استاد نے پوچھا: ''آپ نے یہ فیصلہ کیوں کیا؟''

''کیونکہ'' بروس کے باپ نے جواب دیا۔ ''مجھے نظر آ رہا تھا کہ بروس جسمانی طور پر اس قابل ہو گیا ہے اور اس کی ذہنی عمر بھی کافی ہو گئی ہے' پھر ایک دو بار میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ سائیکل کے آس پاس پھر رہا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اسے اس چیز سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔''

''آپ نے ٹھیک سمجھا۔''

''ہاں سمجھا تو ٹھیک' لیکن جب کام کیا تو بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔''

''وہ کیسے؟''

''میں نے سائیکل کو دوڑا کر بروس کو اس پر بٹھا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح چلانی ہے۔ لیکن میری اس حرکت سے بروس ایسا گھبرایا کہ اسے تین پہیوں کی سائیکل سے جو دلچسپی پیدا ہو گئی تھی وہ یکلخت ختم ہو گئی۔ چنانچہ اس کے بعد وہ اس کے قریب نہیں پھٹکا۔ اگر میں پہلے چند روز تک اسے سائیکل سے مانوس کرتا اور جب اسے دلچسپی پیدا ہو جاتی اس کے بعد سائیکل پر بٹھاتا تو یہ صورت نہ ہوتی۔''

استاد نے کہا: ''یہ صحیح ہے۔ بعض اوقات بچے کسی چیز سے تھوڑی سی دلچسپی ظاہر

کرتے ہیں تو ہم یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وہ پوری طرح 'تیار' ہو گئے۔ میں بھی بعض اوقات یہی غلطی کیا کرتا ہوں۔ بچہ ابھی کتاب کی ورق گردانی اور اس کی تصویریں دیکھنے کے مرحلے میں ہوتا ہے کہ میں اسے کتاب پڑھانی شروع کر دیتا ہوں۔ بہرحال اگر بروس دوبارہ اس سائیکل سے دلچسپی ظاہر کرے تو آپ اسے خود ہی سواری کرنے دیجئے۔"

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ والدین بچے کے تیار ہونے کا انتظار کرتے کرتے اکتا کر جھنجھلا اٹھتے ہیں اور ہمت ہار دیتے ہیں۔

بروس کی ماں نے ایک روز اس بات کا اقرار کیا کہ "دن میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور ایسا ہوتا ہے کہ میں اپنے بچوں سے بگڑ کر بات کرتی ہوں۔"

کند ذہن بچہ اور اس کا خاندان

ماہر نفسیات نے کہا: "بروس کے والد صاحب! آپ کو اور آپ کی بیگم صاحبہ کو چاہیے کہ ذرا آرام بھی کیا کریں۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ آپ کے گھر میں اتفاق واتحاد ہے اور آپ سب ایک دوسرے کی بہبود سے دلچسپی لیتے ہیں۔"

بروس کے باپ نے کہا: "شکریہ! لیکن-----"

ماہر نفسیات کہنے لگا۔"آپ نے ایک بہت بڑا کام یہ کیا ہے کہ جم کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے بھائی کو کند ذہن نہ سمجھے۔ میرا خیال ہے جب جم مدرسے جانے لگا ہوگا اس وقت آپ نے اس پر اچھی طرح واضح کر دیا ہوگا کہ بروس میں کیا خامی ہے اور یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ اب جم بھی بروس کی ترقی پر فخر کرتا ہے۔

بروس کے باپ نے کہا: "ادھر بروس کا خیال یہ ہے کہ جم بڑا قابل لڑکا ہے۔"

ماہر نفسیات نے کہا: "اس میں شک بھی کیا ہے اور بروس بھی قابل لڑکا ہے۔ آپ کے دونوں بچے قابل ہیں۔"

بروس کے باپ نے کہا: "یہ بھی تو کہیے کہ میں آپ دونوں کی امداد ہی سے اس

قابل ہوا کہ ان کو صحیح تربیت دی ورنہ ہم پر ایک بہت بڑا حادثہ گزر جاتا۔"

بروس کے باپ کو خیال آیا کہ اب ہمیں ان والدین کی مدد کرنی چاہیے جن کے بچے کند ذہن ہیں۔ وہ کتنا ہولناک وقت تھا جب انہیں بتایا گیا تھا کہ ان کا بچہ کند ذہن ہے! وہ کیسے غم میں ڈوب گئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اپنے بچوں کو تربیت دے کر وہ اس بحران سے نکل آئے۔"

جن طریقوں پر عمل درآمد سے انہیں کامیابی ہوئی وہی طریقے دوسرے کند ذہن بچوں کے والدین بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

ختم شد

دارالشعور کی نفسیات پر مستند کتب

گفتگو، تقریر، انٹرویو (بہترین گفتگو کے راز) لیری کنگ قیمت: -/150

مصنف: لیری کنگ ترجمہ: عمران ساجد

انٹرویو میں کامیابی اور پراثر گفتگو اور تقریر کے لیے بین الاقوامی شہرت کے حامل مصنف کی کتاب

کم وقت زیادہ کامیابی ڈروسکاٹ پی ایچ ڈی قیمت: -/150

زندگی میں وقت کے بہترین استعمال کے لیے پانچ اہم اقدام

ذہین اور کند ذہن بچوں کی تعلیم جیمز جے۔ مارگریٹ ہل قیمت: -/120

خداداد ذہانت رکھنے والے اور ذہنی طور پر پسماندہ بچوں کے نفسیاتی، تربیتی اور تعلیمی مسائل کا حل

زندگی کے 20 عظیم سبق قیمت: -/160

مصنف: ہال اربن مترجم: محمد احسن بٹ

"Life's Greatest Lessons or 20 Things I Want My Kids to Know"

کا اردو ترجمہ۔ زندگی کے پرخار راستوں کو عبور کرنے کے 20 عظیم سبق۔

تم جیت سکتے ہو "You Can Win" قیمت: -/200

مصنف: شِو کھیڑا مترجم: محمد احسن بٹ

25 زبانوں میں ترجمہ ہو کر 50 لاکھ سے زیادہ تعداد میں فروخت ہونے والی منفرد کتاب

کوئی کام ناممکن نہیں (Impossible Possible) قیمت: -/160

مصنف: بسوا روپ رائے چوہدری مترجم: محمد احسن بٹ

کامیاب لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی صلاحیتوں سے مستقل بنیادوں پر کام لینے پر قادر ہوتے ہیں۔ یہ کتاب لوگوں کو سکھاتی ہے کہ وہ خوف اور رکاوٹوں کے باوجود کس طرح اپنی کیفیات اور رویّوں میں ایسی تبدیلی لائیں جو انہیں عمل کرنے اور نئے نتائج کو جنم دینے کی قوت دے۔ جن لوگوں کو یقین ہو کہ وہ کامیاب ہوں گے، وہ لوگ ''ناممکن'' کو ''ممکن'' بنا سکتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف کی ''برین ٹیکنالوجی'' کی مدد سے ایک نوجوان نے اوکسفرڈ ایڈوانسڈ ڈکشنری کے 80 ہزار الفاظ مع صفحہ نمبر یاد کر لیے تھے۔ آپ بھی اِس کتاب کے ذریعہ ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں۔

کامیاب زندگی

قیمت: -/120

مصنف: ڈاکٹر یوس ٹیس چیسر مترجم: اظہر تابش

زندگی کے بلند مقاصد کے حصول میں کامیابی کے لیے ایک مفید اور راہنما کتاب جو زندگی کے ہمت شکن مراحل میں ثابت قدمی کا درس دیتی ہے اور زندگی کے مشکل ہدف تک پہنچنے کو آسان بناتی ہے۔

خود اعتمادی بڑھایئے

قیمت: -/100

مصنف: سی گلبرٹ رین مترجم: عبداللہ الاحد

جہاں ہم خود اعتمادی سے محروم ہوتے ہیں وہاں کامیابیاں ہمارا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں یہ کتاب ہمیں خود اعتمادی کا اسم اعظم سکھاتی ہے۔

قوتِ ارادی بڑھایئے

قیمت: -/100

مصنف: ولیم ووکر اٹکنسن مترجم: عبدالوہاب ظہوری

نفسِ انسانی کی اس حیرت انگیز اور کرشمہ ساز قوت کا سراغ، جو انسان کو شکست و ناامیدی کے اندھیروں سے نکال کر خود اعتمادی کی درخشاں منزل تک پہنچاتی اور کائنات کی مخفی قوتوں کو بیدار کرنے اور ان کو جلوہ آرا ہونے کی دعوت دیتی ہے۔

ہماری عادتیں اور ہمارے جذبات

دیانند ورما قیمت: -/70

نفسیات اور خیالات کی تعمیر پر ایک ٹھوس اور حیات افروز کتاب۔

دولت مند بننے کے 37 اصول

قیمت: -/180

مصنف: ڈاکٹر سیموئیل سمائلز مترجم: اظہر تابش

کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ بہت جلد امیر ہو جاتے ہیں اور کچھ وراثت میں ملنے والی پونجی بھی گنوا بیٹھتے ہیں؟ اس کتاب کا یہی موضوع ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ بہت جلد دولت کیسے کمائی جا سکتی ہے، کاروبار اور ملازمت سے رقم کے زیادہ حصول کو کیسے یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

پُراعتماد زندگی

نارمن ونسنٹ پیل / مترجم: محمد اظہر تابش قیمت: -/120

قدم قدم پر راہنمائی کرنے والی عظیم نفسیاتی کتاب، جو آپ کی زندگی میں انقلاب لا سکتی ہے۔

Power of Positive Thinking کا اُردو ترجمہ۔

خوشگوار زندگی ہیرالڈ شرمن / مترجم: عبدالغفور بی اے قیمت:-/100

خوف، دہشت، احساس کمتری سے نجات اور تخلیقی قوتوں کی بیداری پر زندہ جاوید کتاب

شادی ڈاکٹر ظفر الحسن قیمت:-/150

یہ کتاب زندگی کا نیا سفر شروع کرنے والے جوڑوں کے لیے خصوصاً اور اس سفر پر گامزن لوگوں کے لیے عموماً لکھی گئی ہے۔ جس میں میاں بیوی کے جذباتی اور ازدواجی تعلق کے ساتھ ساتھ ان کے نفسیاتی اور اخلاقی پہلوؤں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآن و سنت، نفسیات اور جدید تحقیقات کی مدد سے مکمل ہونے والی یہ تحقیق، شادی شدہ جوڑوں کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لا سکتی ہے اور نئے جوڑوں کے کامیاب تعلق کی ضامن ہے۔

بچوں کے سیکھنے کی قابلیت بڑھانا قیمت:-/60

مصنف: ہیری این رولن ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

بچوں کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کر کے ان کی صلاحیت میں کس طرح اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

بچوں کے جذباتی مسائل قیمت:-/60

مصنف: او۔ اسپرجن مترجم: شاہد احمد دہلوی

بچوں کے جذباتی مسائل میں ان کو کس طرح ہینڈل کیا جائے۔ اگر بچپن میں ہم بچوں کی درست رہنمائی نہ کر سکے تو اس کے اثرات زندگی بھر ہمارا بچہ بھگتے گا۔

بچوں کی تعلیم و تربیت قیمت: -/150

تصنیف: میری لارنس، میری فرینک مترجم: محمد افضال

اس کتاب میں جدید میڈیکل سائنس اور تعلیمی نظریات کے مطابق بچوں کی ذہنی جسمانی اور نفسیاتی نشوونما اور تعلیم و تربیت کے راہنما اصول بیان کیے گئے ہیں۔

دارالشعور کی علم وادب پر مستند کتابیں

کتاب	مصنف
شیطان کی آپ بیتی	رفیق انجم
تاریخ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات	محمد دین فوق
خوداعتمادی بڑھایئے	سی گلبرٹ رین / مترجم عبداللہ الاحد
بچوں کی تعلیم وتربیت	مصنف: میری لارنس، مترجم: محمد افضال
کامیاب زندگی	مصنف: ڈاکٹر یوس ٹیس چیسر، مترجم: اظہر تابش
پراعتماد زندگی	مصنف نارمن ونسنٹ پیل، مترجم: محمد اظہر تابش
خوشگوار زندگی	مصنف: ہیرالڈ شرمن، مترجم: عبدالغفور بی اے
جدید اسرائیل کی تاریخ	مصنف: محمد احسن بٹ
فتوح الغیب	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
گوتم بدھ سے دلائی لامہ تک	مصنف: کرسٹوفر ابرٹس / مترجم: محمد احسن بٹ
امریکہ کا اخلاقی بحران	مصنف: جمی کارٹر (سابق صدر امریکہ)
ابنِ خلدون	مصنف: ڈاکٹر طٰہٰ حسین (سابق وزیرِ تعلیم مصر)
عظیم مسلمان فلسفی	تالیف: محمد لطفی جمعہ مصری، مترجم: ڈاکٹر میر ولی الدین
قدیم علوم اور جدید تہذیب	مصنف: جارج سارٹن، مترجم: سید ہاشمی فرید آبادی
اخوان الصفاء	تالیف: جمعیت اخوان الصفاء، مترجم: اکرام علی
جنگ عظیم دوم	مصنف: لوئیس سنائیڈر، مترجم: مولانا غلام رسول مہر
WTO کیا ہے؟	مصنف: بھگر بیت لال داس، مترجم مقصود خالق
حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ (۳ جلدیں)	مترجم: مرتضیٰ انجم / فضیل ہاشمی / اشفاق خان
آنے والے دور کا انسان	مصنف: گرور جنیش، مترجم: صفدر رشید
سرگزشت دہلی	مصنف محمد شجاع منعمی
گناہِ غربت، معیار گناہ	مصنف: ٹالسٹائی
پھول اور کلیاں	مصنف: رابندر ناتھ ٹیگور
مسلم دنیا اور سامراجی یلغار	مصنف پروفیسر طفیل ڈھانہ
100 عظیم مسلم سائنسدان	رفیق انجم / ابراہیم عمادی
خواتین کی صحت	مصنف: ڈاکٹر ثمرین فرید
ملٹی نیشنل کمپنیاں	مصنف: سید عظیم
تجارتی لوٹ مار کی تاریخ	مصنف: سید عظیم
ڈبلیو۔ٹی۔او اور گلوبلائزیشن	مصنف: سید عظیم
ہماری عادتیں اور ہمارے جذبات	مصنف: دیانند ورما
کون کیسے گیا؟	مصنف: مرتضیٰ انجم
کوئی کام ناممکن نہیں	مصنف: بسوا روپ رائے
دولت مند بننے کے 37 اصول	مصنف: ڈاکٹر سموئیل سمائلز

دارالشعور

37۔مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور، پاکستان

فون: 042-7239138-8460196